

سید حسن منٹو

جتازے



جنازے

سعادت حسن منٹو

ساقی بک ڈپو۔ دہلی

قیمت : پندرہ روپے

Rs 15/-

نام کتاب : جنازے
مصنف : سعادت حسن منٹو
سبع اشاعت : ۱۹۸۵ء
طابع : جمال پریس۔ دہلی

ناشر
ساقی بک ڈپو

اردو بازار۔ دہلی ۱۱۰۰۰۰

انتساب

اس شخص کے نام جو میری

موت پر ایسا ہی مضمون

لکھے گا۔

سعادت حسن منٹو

فہرست

- ۱ چنگیز خان کا موت ۷
- ۲ تیمور کا موت ۲۲
- ۳ قلوچہ راجہ کا موت ۲۹
- ۴ پرتگیزی کا موت ۵۶
- ۵ بابر کی موت ۷۵
- ۶ شاہ جہاں کی موت ۹۳
- ۷ شہید شہید کی موت ۱۰۸
- ۸ راسخو شہید کی موت ۱۲۳
- ۹ ملٹو ماموں کی موت ۱۳۳
(ہمارے بھائی)

ریباچہ

زندگی موت کا ریباچہ ہے۔ اس
مجموعے کے مضامین جنہیں ریباچہ اصطلاح
میں ضمیر کہتے ہیں، چند دیرپا چوں کی
اخلاقی مضمون ہیں۔ کیا عجیب کہ
ان کو پڑھ کر آپ کو مرنے کا سبق
دے رہا ہے۔

چنگیز خاں کی موت

آج سے سات سو برس پہلے کا ذکر ہے کہ ایک شخص تاتاری کی طرح
اٹھا اور قریب قریب ساری دنیا پر بھاگ گیا۔ اس شخص کا نام "چنگیز خاں" تھا
جس کی دہشت ایک زمانہ تک لوگوں کے دلوں پر تاری رہی۔ زندگی میں
اس کو بہت سے خطاب ملے کسی نے اس کو "انسانوں کو ہلاک کرنے والا"
کہا۔ کسی نے "شاندار لوگوں کا نقب دیا۔"

یوں تو دنیا کے اور بہت سے بادشاہوں کو خطاب ملے۔ مگر
ان کے نام کے ساتھ چنگیز نہیں۔ لیکن چنگیز خاں کو جس قدر خطاب ملے
اور جسبیاں ہو گئے۔

یورپ کے بڑے بڑے تنگیزوں کی فہرست میں سب سے پہلا
نام اسکندر مقدونی کا آتا ہے۔ پھر دوسرے چند بادشاہوں کا۔

یولین، عظیم کے نام پر یہ مختصر فہرست ختم ہو جاتی ہے۔ یورپ کے جنگی اسلحہ پر کئی سب سے زبردست اور شاندار ایکٹر تھے۔ مگر جب ہم دوسرے ملکوں کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو یہیں ان کے مقابلے میں جنگیز خاں زیادہ ہیبت ناک اور بڑا دکھائی دیتا ہے۔

یورپ میں اس وقت شہر جس طرح تباہی پھیلا رہا ہے۔ اسی طرح اس زمانے کے متحصیروں کے ذریعے سے جنگیز خاں نے کشت و خون کا بازار گرم کیا۔ اس کی خوفناک فوجوں کے سامنے ہیں جو شہر آگے ملک کا دھیرے ہو گئے۔ جہاں سے اس کا لشکر گزر تا وہاں کے دریا پناہ گز بدل و سقے۔ وہاں کی زمین جو کبھی آدمیوں سے آباد تھی۔ سوائے بھیر پوں اور میدانوں کے واسے پرندوں کے اور کوئی دوسرا جاندار نظر نہ آتا تھا۔ رات کے فوج میں یولین، بونا پارٹ، یورپ میں سب سے ممتاز نظر آتا ہے۔ مگر اس سے چند ایسی غلطیاں جو ہیں جن کو ہم کبھی بھول نہیں سکتے، کیا مرتد مصر میں اپنی فوج دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ خود بھاگ نکلا۔ دوسری مرتبہ اس نے اپنی فوج کو روس کی برفوں میں مرنے کے لئے پیچھے چھوڑا، اور خود وارٹو کے بھنور میں جا پھنسا۔ ایسی زبردست غلطیاں ہیں جنگیز خاں کی فوجی زندگی میں نظر نہیں آئیں۔ اس نے آرمینیا سے لے کر کوریا تک، اور تبت سے لے کر روس کے دریا و دریا تک ایک ایسی سلطنت کی بنیادیں قائم کیں کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا اور کھائی بغیر کسی مخالفت کے اس کا جانشین تسلیم کیا گیا اور اس کے پوتے نے آدھی دنیا پر بادشاہت کی۔

آج سے سات سو برس پہلے جب دریائے ارخان کے کنارے

دو لون بدراق کے مقام پر سیر کافی، بہادر کے گھر تھو جن یعنی جنگیز خاں پیدا ہوا تو دیکھا گیا کہ اس کی منہ میں جانا ہوا خون ہے۔ ماں کے پیٹ سے وہ خون سے رنگے ہوئے ہاتھ لے کر آیا۔

اس زمانے میں جہاں جنگیز خاں پیدا ہوا۔ ملک کی حالت بہت ابتر تھی۔ اکثر و بیشتر حصہ بجز اور ویران تھا۔ جس میں ہر دم گھوڑوں پر سوار شکار پیشہ، آوارہ گرد، آرنوں اور چکاروں کے شکار میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس ملک کے لوگوں کا لباس جانوروں کی کھالیں ہوتی تھیں۔ دودھ اور گوشت سب کی خوراک تھی۔ سردی اور بارش سے بچنے کے لئے جسم پر چربی ملتے تھے۔ چارٹے ہلے میں گھٹھ کر مر جانا، فاقوں سے دم نکلنا۔ دشمن کی تلوار سے کٹ مرنے۔ ان میں سے کسی بات کی بھی ان کو پرواہ نہ تھی۔ یہ خانہ بدوش بڑے وحشی آدمی تھے۔ جنگیز خاں یہ نکتہ سمجھ گیا کہ ان وحشیوں کو ایک دفعہ کا کھلا سامنے سے باز رکھنے کے لئے اس کے سوا کوئی تدارک نہیں کہ انہیں کسی غیر ملک میں بھیج دیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنگیز خاں نے اپنی قوم کے ان بگڑوں پر چار بجائے کہ اور یا ہر کے ملکوں پر آمدنی کی طرح مایہ چڑھایا۔

خدا کے اس تازیانے جنگیز خاں کی ہنگاموں بھری خونی زندگی ایک ضمون میں نہیں سما سکتی۔ ہم جنگیز خاں کے صرف آخری ایام کو پیش نظر رکھیں گے۔ جب کہ وہ ستر سال کا بڑھا اور تقریباً نصف دنیا فتح کر چکا تھا۔

۶۱۲۲۵
پروہ اٹھتا ہے۔ سن بارہ سو چھپس۔ کرکھتا جاڑا۔

— دریا تو لہ کے کنارے چنگیز خاں خیمہ زن ہے۔

چنگیز: بغورچی تم نے اور مقبولی نے میری مدد کی ہے۔ جو کام میں نے تمہارے سپرد کیا تم نے بڑی درستی سے کیا۔ تم نے مجھے بڑا بھیجا۔ مجھے ایسے کاموں سے بھی روکا جو غلط تھے۔ تمہاری ان ہی باتوں سے آج میں اس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا ہوں اس وقت آدمی دنیا میرے قبضے میں ہے۔ آرمینیا سے لے کر کوریا تک اور تبت سے لے کر دریائے دو گانک میری سلطنت پھیلی ہوئی ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔

میں بہت خوش نصیب ہوں۔

بغورچی: خاں اعظم کو وہ دن یاد ہو گا جب بغورچی سے اس کی دوستی ہوئی۔ آٹھ گھوڑوں نے آپ کے چوری چلے گئے تھے۔ یہیں دوستی کے اس مضبوط رشتے میں جکڑ دیا۔ اس راستے میں بادھ سے تاج محل آپ کے آٹھ گھوڑے چرا کر لے گئے۔ میں ایک گھوڑی کا دودھ دہ رہا تھا۔ کسے خبر تھی کہ وہ نوجوان جو آٹھ گھوڑوں کے لئے اتنا حیران اور پریشان ہے ایک روز آدمی دنیا کا مالک ہو گا۔ خاقان کو یاد ہو گا کہ اپنی گھوڑی تمہارا کیا۔

چنگیز: مجھے ابھی طرح یاد ہے۔ میں نے تم سے بڑی پریشانی کے عالم میں پوچھا تھا: کیا تم نے ادھر سے آٹھ کو تل گھوڑے اور سوار جاتے دیکھے ہیں۔

بغورچی: اللہ میں نے جواب دیا تھا: ہاں سورج نکلنے سے پہلے کئی سوار آٹھ گھوڑوں کو جن پر کوئی سوار نہیں تھا۔ ساتھ لے کر ادھر سے گزرے تھے۔ جس راستے سے وہ گئے ہیں وہاں گھوڑوں کے سموں کے نشان ہیں۔ وہ تمہیں دکھا سکتا ہوں۔

چنگیز: ہم بڑی ترکیب سے ان گھوڑوں تک پہنچے اور انہیں ہانکا کر واپس لے گئے تاج محل کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے ہمارا پیچھا کیا۔ تم نے مجھ سے کہا: اپنا تیر کران مجھے دے دو میں پیچھے رہ کر ان کا مقابلہ کروں گا۔

بغورچی: مگر آپ نے میری درخواست منظور نہ کی۔ غرض یہ کہ ہم دونوں گھوڑے دوڑاتے آئے بڑے تیر رہے۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی اور روشنی کم ہونے لگی۔ مگر وہ سبز سے گھوڑے والے تاج محل اب اس قدر قریب آ گیا تھا کہ اپنی کند آپ پر اور مجھ پر آسانی کے ساتھ پھینک سکتا تھا۔

چنگیز: میں نے اس وقت چلا کر تم سے کہا تھا: بغورچی دیکھو کہیں یہ دشمن تمہیں اپنی کند سے گرا کر زخمی نہ کر دے۔ تمہارا میں اس پر تیر چلا تا ہوں یہ

بغورچی: تیر نشان پر بیٹھا۔ وہ تاج محل گھوڑے کی پیٹھ پر سے گرا۔ اور سم رات کے اندھیرے میں آنکھوں گھوڑے ساتھ لے بھاگے۔

چنگیز: (بے ساختہ) تم جب واپس اپنا جانگ پر پہنچے تو ڈرے کر تمہارا باپ تمہارے غیر حاضر کی خبر دے گا۔ پہلے جانگ سے

کی بڑی یسوی اور شہزاد سے اس کے ساتھ تھے۔ شروع شروع میں لڑائی میں کامیابی رہی۔ لیکن جب جاڑ آیا تو جنگیز خان ایک دن گھوڑے پر سے گرے اور ایسی چوٹ آئی کہ اس کے صدمے سے بیمار ہو گیا۔

یسوی: خان کے دشمنوں کی طبیعت بہت خراب ہے گھوڑے پر سے گر کر ایسی چوٹ آئی ہے کہ کئی جوڑ ہل گئے ہیں کل سے تیز بخار ہے۔ میں نے آپ لوگوں کو اس لئے یہاں بلا یا ہے کہ اس جنگ کے متعلق بات چیت کی جائے۔ جو روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ بغورچی اتم بتاؤ اسی حالت میں کیا جنگ جاری رہنی چاہئے؟

بغورچی: خاقان کی حالت گونا گویا نہیں کہی جاسکتی۔ مگر اس پر وعدے میں شدید چوٹیں بہت خطرناک ہوتی ہیں میری قدر اسے ہے کہ کچھ دیر کے لئے جنگ ملتوی کر دی جائے۔ خاقان کا علاج یہاں نہیں کیا جاسکتا۔ جب وہ تندرست ہو جائیں تو جنگ دوبارہ شروع کر دی جائے۔

یورگولا: اس راستے سے مجھے بھی اتفاق ہے۔ حضور کی چرچہ دیکھیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ راستے بالکل درست ہے۔ حضور کی تندرستی سب سے ضروری چیز ہے۔

یسوی: بلالوئیاں — تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔ بلالوئیاں: تنگوت خانہ بدوش نہیں ہیں۔ شہروں میں رہتے ہیں کہیں چلے تو جائیں گے نہیں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ اب ہم اپنے

وطن کو واپس چلے جاتے ہیں۔ جب خاقان کا مزاج ٹھیک ہو جائیگا تو پھر یہاں آجائیں گے۔ یسوی: تو پھر یہاں سے

(ابانگ بیہوشیوں کی مدد سے جنگیز اندر داخل ہوتا ہے) جنگیز: کچھ طے دے نہیں — ہمارا مزاج بخیر ہے۔ ہم یہیں رہیں گے یسوی ایک بیوی کی حیثیت سے ہیں اپنی جلدی کی قائل کوسکتی ہو۔ معرکہ جنگ کے میدان میں تمہاری جلدی ہمیں کبھی متاثر نہیں کرسکتی — یورگولا — ہمارے بیٹھے کے لئے چوکی لاد۔

(خود چوکی رکھ دی جاتی ہے) جنگیز: (چوکی پر بیٹھ کر) بغورچی! یہ چپکے چپکے کیا سازش ہو رہی تھی۔ بہت افسوس ہے کہ تم بھی میدان جنگ چھوڑنے پر رضامند ہو گئے۔

بغورچی: خاقان آپ کی صحت سبب چیزوں پر مقدم ہے۔ جنگیز: اور ہمارا خوشی اس پر مقدم ہے تم یقین کرو کہ ہم بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ ہمارا علاج میدان جنگ ہی میں ہو گا۔ تم لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اگر اس وقت ہم یہاں سے چلے گئے تو وہ باغی تنگوت یہ کہیں گے کہ ہم ڈر گئے۔ آج اکہتر برس کی عمر میں گھوڑے پر سے گر کر ہم اپنا وقار زخمی کوا لیا — نہیں۔ ہم ہرگز یہاں سے نہیں مائیں گے۔ یورچی! تمہاری اپنی تیار کر کے تنگوت کے پاس بھیج دو ہمارا پیغام لے جائے۔

خوجی، پیغام ارشاد ہو۔
 جنگیز: مجھے چوڑے القاب وغیرہ بالکل نہ لکھے جائیں۔ بس اس سے
 صرف اس قدر کہا جائے۔۔۔۔۔ تنگوت نے شروع سے ہمارے
 ساتھ وعدہ کیا تھا کہ تم ہمارے دست راست بنو گے
 لیکن جب ہم مسلمانوں سے لڑنے گئے تو تم نے ہمارے
 ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ اور اس نافرمانی کے ساتھ
 ہمارا توہین کیا۔ اب مسلمانوں کو مغلوب کرنے کے بعد
 میں تم سے نیچا چاہتا ہوں، ہمارے قہر سے ڈرو اور ہتھیار
 ڈال دو۔

بلانویاں: آپ قوت و سطوت کے خدا ہیں۔۔۔ میں اکثر سر مینا
 ہوں کہ آپ کے ہاتھ پر کوئی علامت اس قوت و سطوت کی
 ہے، بھیجنا نہیں!

جنگیز: (دہنستا ہے) بلانویاں! میں تمہیں ایک دیکھنے والا تعینات ہوں
 سینہ فانی پر بیٹھنے سے پہلے ایک روز ہم گھوڑے پر سوار ہا رہے تھے
 ایک پل بوسے غرز نے لگے تو دیکھا ہمارا تاک میں تھا آدمی
 بیٹھے ہیں۔ ہم گھوڑا صوفت کران کی طرف بڑھے۔ انہوں نے
 دھڑکی سے ہم پر شیر برسانے شروع کئے۔ لیکن جتنے تیر
 انہوں نے پھینکے سب کے سب خفا گئے۔ ایک بھی ہمارے
 نہ لگا ہم آگے بڑھے اور چھوٹے دشمنوں کو موت کے گھاٹ
 اتار دیا۔ تو ساریں پھر اسی جگہ سے جہاں ہم نے دشمنوں کو
 مارا تھا۔ غرز ہوا تو دیکھا کہ ان کے گھوڑے خالی پھر رہے ہیں

ہم نے ان گھوڑوں کو پکڑا اور ہانک کر اپنے گھر لے آئے۔ بولو
 اس سے کیا نتیجہ نکالے ہو۔
 بلانویاں: غلام کو اس سوال کا جواب مل گیا۔۔۔ غاغان توت و سطوت
 کا خدا ہے۔
 جنگیز: (دہنستا ہے) خدا کا تازیانہ ہے۔۔۔۔۔ قہر نہیں ہے۔۔۔

جنگیز کا بھیجا ہوا پہلی تنگوت کے پاس گیا اور وہاں سے ایسا
 ناگوار اور تکلیف دہ جواب لایا کہ جنگیز خاں کا خلیفہ غضب اور زبان
 بڑھ گیا۔ اس نے سرداروں سے کہا۔ اب ناممکن ہے کہ ہم یہاں سے چلے
 جائیں! ہم مر جاتے ہیں تنگوت کو بغیر سزا دے جے نہیں چھوڑیں گے۔
 جنگیز نے اپنے دشمن بادشاہ تنگوت سے بدلہ لینے کی ہر ممکن کوشش
 کی مگر اس کی صحت اب بالکل خراب دے رہی تھی۔ اب وہ صرف چند
 دنوں کا بچا تھا۔

بلانویاں: حضور اخلاص ملی ہے کہ آپ کے لڑکے خوجی نے پھر بغاوت
 کا جھنڈا بلند کر دیا ہے۔
 جنگیز: اس ناخلف لڑکے نے میں بہت تنگ کیا ہے تم ایسا کرو کہ
 فوراً ایک لشکر تیار کر کے اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دو۔
 بلانویاں: بہت اچھا حضور۔

خدا دے، جہاں پناہ۔۔۔ بغیر قی قدم بوسی کے لئے حاضر ہیں۔
 جنگیز: اس کو اللہ بھیجے رو۔۔۔۔۔ ہاں تو ہم تم سے یہ کہہ رہے تھے

کہ جو جی کی سرکوفی کے لئے فوراً ایک لشکر روانہ کر دیا جائے۔ اس ناخلف رو کے نے ہمیں بہت ستایا ہے۔ کاش کہ ہم بیمار نہ ہوتے۔ بغورچی یہ رو کا اب کبھی اپنے باپ کو نہیں ستائے گا۔

چنگیز: اس سے تمہارا مطلب۔۔۔۔۔

بغورچی: ابھی ابھی اطلاع آئی ہے کہ جو جی کا انتقال ہو گیا ہے۔ چنگیز: کیا کہا۔ جو جی ہمارا بیٹا مر گیا۔ (توقف کے بعد) ہم تھوڑی دیر کے لئے دوسرے گھر سے میں جا رہے ہیں۔ ابھی آتے ہیں (دوسرے گھر سے میں چلا رہا تھا)

بلانویاں: تم نے دیکھا بغورچی۔ خان کو اپنے بیٹے کی موت کا صدمہ ہوا ہے۔

بغورچی: میں نے خان کو آج پہلی بار مغموم دیکھا ہے۔ بلانویاں: اسی لئے دوسرے گھر سے میں چلے گئے۔

بیٹے کی موت پر تنہائی میں چنگیز خاں نے بھت غم کیا۔ مگر یہ غم کسی بے غلہ ہوش ہو سکا۔ وہیں برابر آگے بڑھتی رہیں۔ چلتے چلتے صوبہ کے جنگل سے گزر ہوا جہاں سورج کی مدد سے باد جو درختوں تلے برت بجا ہوئی تھی۔ بھان، پہنچتے ہی چنگیز خاں نے لشکر کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اور قاصدوں کو بلا کر کہا کہ بہت جلد ٹھوڑے دوڑا تے ہوئے توئی کے پاس جاؤ۔ اور اس سے کہو کہ فوراً میرے پاس آئے۔ توئی اس کامیاد عمر بیکار خاں کے خیمے کے اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ باپ آتش ران کے قریب ایک قالین پر

سمور میں لیٹا ہوا ہے۔

چنگیز: آؤ توئی میرے بیٹے آؤ۔۔۔۔۔ میں تمہارا منتظر تھا۔۔۔۔۔ آؤ اور میرے پاس بیٹھو۔۔۔۔۔ میرے وفادار دوست اور بہادر جرنیل سب اس وقت موجود ہیں میں ان سے کہہ چکا ہوں کہ میری موت اب بالکل قریب آگئی ہے۔۔۔۔۔ جب میں اس سے نہیں ڈرتا تو تم کیوں ڈرو۔

توئی: ابابا ایسا نہ کہئے۔۔۔۔۔

چنگیز: جو خوف نہ ہو۔۔۔۔۔ توئی ہم وصیت کرنا چاہتے ہیں۔ فضول باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔۔۔۔۔ سنو ہماری وصیت ہے کہ تم سے لڑائی جاری رہے۔ جس وقت تنگوت کی راجہ صافی فتح ہو جائے تو تنگوت کے بادشاہ کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو جو اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ قتل کر دیا جائے۔ جب تک یہ صورت پیش نہ آئے، ہماری موت کو پریشیدہ رکھا جائے۔۔۔۔۔ (توقف کے بعد) اور کہانی تمہارا بھائی بلند سمت اور رحمدل ہے۔ اس کا صبر اخلاق بہت اچھا ہے لوگ پسند کرتے ہیں۔ اس کے ہم اسے اپنا ہاتھیں مقرر کرتے ہیں۔

توئی: آپ کا فیصلہ برحق ہے۔

چنگیز: توئی بامشرق میں جس قدر ملک ہیں۔ تم ان کے مالک ہو۔

توئی: شکریہ۔

چنگیز: اور تمہارے چودے بھائی چغتائی کو ہم نے مغربی ملک

بھی۔ بعض لوگ اسے گرگ سیاہ کہتے ہیں مگر بعض ایسے بھی ہیں۔ جو اسے شیرِ ثریا اور گیتی شتران کے لقب سے یاد کرتے ہیں مشہور شاعر ملٹنی نے غزلیں کی شاندار تصویر میں جو مہیب رنگ بھرے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ تیمور کے قصوں پر غور کرنے سے بعد ہی اس کے تلکس میں یہ بلا کا زور آیا تھا۔

شاعروں نے اس حیثیت ناک انسان پر خدائے آفرینیاں کیں۔ مگر مورخوں پر سکوت کا حکم طاری رہا۔ کہ وہ تیمور کو کسی زمرے میں تصویف کریں۔ وہ کسی شاہی خاندان کا رکن نہیں تھا۔ لیکن اپنی ذات سے ابندہ ایک خاندان کی بنا ڈال گیا۔ غارت مگر تھا۔ ڈھانے اور گرانے والا تھا مگر جب بنا۔ نیچے کی طرف راغب ہوا قوبے مثل عمارتیں اس نے تعمیر کرائیں۔ سکندر کی طرح کسی بادشاہ کا رکن کا نہیں تھا اور نہ جنگیز کی طرح کسی لادشک دارے کا وارث۔ فتح مند سکندر کے پاس مقدونیہ کے لوگ اور جنگیز کے پاس مغلیں کے گروہ شروع سے موجود تھے۔ مگر تیمور نے خود اپنے لئے ایک قوم فراہم کی۔

انتہادرجے کی نفرت اور انتہادرجے کی محبت جیسی تیمور کے سہولت ظاہر کی گئی ہے۔ کسی دوسرے بادشاہ کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتی تیمور کے دیار کے دو بڑے مورخ گزٹھے ہیں۔ ایک نے اس کو شیطان بتایا ہے اور دوسرے نے لکھا ہے کہ اس ہمسایہ عالی ظرف کبھی بید نہیں ہوا۔ ابن عرب شاہ لکھتا ہے کہ وہ ایک بے رحم قاتل، مکر و فریب میں استاد کامل اور عداوت انتقام میں خدا کا قہر تھا۔

مولانا شرف الدین لکھتے ہیں کہ ہمت و شجاعت نے اس کو تمام

انتہاء کی شہنشاہی پر ممتاز کیا۔ اور تمام ایشیاء کو اس کے سامنے جھکا دیا۔

عیسائی گرجہ دنیا کے بڑے بڑے لڑنے والوں میں بہت بڑا اور جڑ گھٹا ہے۔ لیکن بادشاہوں میں وہ بدترین بادشاہ تھا۔ لائق بہادر تھا افسانہ تھا۔ لیکن شہرت کا خواہاں، سخت گیر اور ظالم۔ اپنی ذاتی شان و شوکت کے مقابلے میں وہ دوسرے انسانوں کی خوشی کو ہر گاہ سے زیادہ نہ سمجھتا تھا اس کی ذاتی شہرت نے اس کی قوت کے عالی شان عمل کو سلامت رکھا۔ لیکن جب وہ مرا تو یہ عمل بھی اس کے ساتھ ہی گر پڑا۔ اس کی سلطنت اس کی موت کے ساتھ ہی مٹ گئی۔

اس قصہ خما کے میں جو ہم اب آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ تیمور لنگ کی زندگی کے آخری باب کی جھلک دکھائی جائے گی۔ جب کہ موت اس کے دروازے پر دستک ڈال چاہتی تھی۔

فرشتہ موت (موتی اور ڈرونی آواز میں) تیمور۔ ادھر دیکھو۔ لاشیں پہچانتے ہو؟

تیمور۔ (بے پرواہی سے) لاشیں کس کی لاشیں۔

فرشتہ موت۔ دیکھو یہ لاش کس کی ہے۔ پہچانتے ہو؟

تیمور۔ پہچانتا ہوں۔ یہ میرے بڑے بیٹے جہانگیر کی لاش ہے۔ مگر اس کو مرنے تو ایک زمانہ ہو چکا ہے۔

فرشتہ موت۔ (ہنسنا ہے) اور یہ۔

تیمور۔ یہ عمر شیخ کی لاش ہے۔ مگر اس کو انتقال کئے بھی ایک مدت

میں نے یہ بھی دیکھا ہے۔

فرشتہ موت! (منہ سنا ہے) یہ

تیمور نے یہ — میرا پوتا امیر نراندہ تھی سلطان ہے۔ مگر اس وقت دنیا اس کو
بھی نہ پھوٹا — بڑا دلیر اور شجاع تھا۔ تمام لشکر اس کی پرستش
کیا کرتا تھا۔ مجھے اس کی موت پر بہت افسوس ہوا تھا۔ (وقف
کے بعد) اس نوجوان شہزادے نے اقبال و نصرت کی حالت میں دنیا
کو خیر باد کہا۔ — دہ آہ بھر کر، اور ہی فوج میں جو یہ مرحوم سمرقند سے اپنے
ساتھ لے کر گیا تھا۔ اپنے سردار کی لاش کندھوں پر اٹھا کر سمرقند
واپس آئیں۔ — رنگین پرچموں کی جگہ دھاتی بھنڈے تھے۔
اس کا میں نے زیادہ خیال نہ کیا۔ لیکن جب مرحوم کے دودھ پیتے
بچے میرے سامنے لائے گئے تو مجھے سخت صدمہ ہوا۔ اور کئی
دن تک اپنے پیسے سے راسخ نہ نکلا۔

فرخستہ مہرست اور (پہنستا ہے) کیا اب بھی تمہیں معلوم نہیں ہوا کہ تم سے
بڑھ کر کبھی دنیا میں کوئی قوت موجود ہے۔ ایسی قوت جس نے
تمہارے بہترین ساتھیوں کو تم سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا
ہے۔ تمہارے شروع زمانے کے تمام بڑے بڑے امراء
آج اپنی قبروں میں بے خبر سو رہے ہیں۔ حاجی شیخ سیف الدین
کہاں ہے جسے تمہارا وہ جاں نثار جاگویر لاس کہاں ہے؟
— امیر زادہ محمد سلطان تمہارے فرزند رشید کا کھت جگر کہاں
ہے جس پر تمہیں اتنا ناز ہے۔ — ابو تمہارا وہ وفا کشی اور
محکم حلال امیر آق بوغاک کہاں ہے جس کی خدمات کے صلہ میں تمہارے

ہر آستان کی حکومت اس کو بخش دی تھی۔۔۔ کہانی (۱) یہ سب

لوگ — تم نے جب اپنے پورے گھر کو صاف کرنے کی غلامت کی
خبر سنی تھی تو بھاگے بھاگے اس مکہ پاس گئے تھے۔ جیسے
تمہاری آمد سے موت کا فرشتہ اپنے پڑھوٹ کر ایک کونے میں
دبک جائے گا۔ لیکن مریض کی زبان ابھی بند ہوئی کہ آخر وہ دم
نک نہ کھل۔ وہ تم سے بات تک نہ کر سکا (وہ بوا زوار تکستا تھا)
تیمور (گھبرا کر جاگتا ہے) بند کرو اس جنسی کو۔ بند کرو اس شیطان
جنسی کو۔ یہ کیوں تھا؟

میرا تے خاتمہ: کیا حضرت صالح علیہ قمران نے آج پھر کو فنا کر دیا؟
خواب دیکھا؟

شیمودہ (توقف کے بعد) ہاں۔ جب سے ہم اپنے عزیز پرستے کی
لاٹھ لے کر سفر قند آئے ہیں۔ عجیب عجیب خواب دیکھتے ہیں ہمارا
نیلند خواب ہو گئی ہے۔ میرے خاتم کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ خواب
میں کیوں سنا رہے ہیں۔ کیا ہم جڑے تو نہیں ہو گئے؟
میرا خاتمہ (دھنستہ ہے) میرے گرد کان جو دھم دھمیاں نکلتے ہیں۔ چکا ہے۔
کیسے بڑھا جو۔ کہتا ہے۔ اور ابھی تو آدھی دنیا باقی ہے
جو حضور کے قدموں کے نقش سے خالی ہے۔

تیمور! حتم ٹھیک کہتی ہو میرے خاتم! ابھی آدھی دنیا باقی ہے۔
جو ہمارے قدموں کے نقش سے خالی ہے۔ (دہشتا ہے جو
آدھی ایک دفعہ پاؤں رکاب میں رکھتا ہے۔ اسے کاٹھی پر
پہنچانا ہی پڑتا ہے۔ ابھی تو ہم نے رکاب ہی میں پاؤں رکھا ہے

کاٹھی پر پہنچنا ابھی باقی ہے۔
سر کے خاتمہ پر کاٹھی ملک میں ہی ہو سکتی ہے۔ دہشت شاموں کے
خواب آپ یوں ہی نہیں دیکھتے رہے۔

تیمور نے بلایا وزیر کہ جو مراٹھے خاتمہ — کئی دنوں سے ہم خانان
چنگیزی خواب میں دیکھ رہے ہیں — جانتی ہو تم یہ وہ لوگ
ہیں جو اپنے بیٹے بڑے لشکر کے کمر ملک خطا میں ہیں پہنچے
تھے — کل رات ہم نے اپنے والد صاحب کو دیکھا تھا۔

وہ مجھے کہہ رہے تھے۔۔۔۔۔

مراٹھے خاتمہ (دلیپسینیتے ہوئے) کیا کہہ رہے تھے؟
تیمور نے انہوں نے اپنے قبیلے کے فوجی امیروں کی داستانیں مجھے سنائیں
کہ کس طرح مویشیوں اور لشکروں کو ساتھ لے کر گشت کیا کرتے
تھے۔ پہاڑوں پر جب برف گر جاتی تو نیچے اتر آتے اور جب
برف پگھلتی تو پھر پہاڑوں پر پہنچ جاتے۔ کارواں کی سڑکوں پر
کیوں گاموں میں بیٹھ جاتے اور اپنے بھٹے سے — مائے میں
جس پر سیگہ بنے ہوئے تھے۔ چلتے پہاڑ — ایک خطا میں ملک
پہنچ جاتے۔ پورا قبیلہ پانچ سو میل کی کوہستانی زمین پر دوڑ
دوڑ جیسے ننگ سیر و شکار میں مصروف رہتا۔ انہوں نے سید
گھوڑوں کی قربانی کا بھی ذکر کیا۔ جو قبیلے کے سردار کی قبر پر ذبح
کئے جاتے ہیں۔ یہ گھوڑے آسمان کے دروازے میں
جہاں شال کے ستارے روشن ہوتے ہیں۔ داخل ہو جاتے تھے۔

تاہم ان رجوں کی خدمت کریں جو آسمانوں سے بھی اور کسی طبقے
میں رہتی ہیں۔

پھر انہوں نے ملک خطا کی ان شہزادیوں کا نام لیا جو اپنے
ملک سے خاقان تاتار کے پاس بیاہی آئی تھیں اور جہیز میں
حیرت انگیز اور عجیب کی چیزیں گاہریوں میں بھر کر سناٹا لائی تھیں
— پھر انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ظفر مند خاقان تاتار
جس پرانے سے منہ لگا کر گھوڑے کا درود پڑھتے تھے۔ وہ
دشمن کی گھوڑی کا جوتا نکلا اور اس پر سونا منڈھا جوتا تھا
(توقف کے بعد مراٹھے خاتمہ دہشت شاموں کا اب ایسا تصور

بند رہا ہے کہ ایک لحظہ کے لئے بھی یہ دماغ سے نہیں نکلتا۔
سر کے خاتمہ پر ہندستان کی حکومت آپ اپنے پوتے محمد سلطان کے
بھائی کے حوالے کر چکے ہیں اور شہزادان کی حکومت شاد رخ
کو دے چکے ہیں۔ آپ کی پریشانی اب بہت حد تک کم ہو گئی
ہیں۔ ملک میں برچھائی کر دیجئے۔

تیمور — یہی سوچ رہے ہیں — فقط یہی ایک سلطنت ایسی
رہ گئی ہے جو ہمارا مقابلہ کر سکتی ہے۔ یعنی جس کو زیر کرنے میں
ہم خوشی محسوس کر سکتے ہیں۔

کسی سردار یا امیر سے تیمور نے اپنے اس قصد کو ظاہر نہ کیا۔
چار سے کار نامہ تھا۔ اس لئے مجبور ہو کر جس قدر فوج تیر بڑی جھاڑی
میں تھی وہیں رہنے دی۔ لڑائیوں سے جو انتظام درہم برہم ہو گیا تھا۔

اس کی درستی کے لئے جس نے یہ کچھ دیر قیام کیا۔ لیکن بہار کے آتے ہی جب زمین پر سبزہ نمودار ہونے لگا۔ وہ مشرقی کی طرف سمرقند جانے کی خاطر اپنے لشکر اور اسے دربار سمیت روانہ ہو گیا۔ اگست کے چہینے میں سمرقند آکر باغ میں ٹھہرا۔ جامع مسجد جو نئی تھی بن کر تعمیر ہوئی تھی اس کا معائنہ کیا۔

تیمور: درختوں کی حالت (ہیں)۔ میر عمارت کو ابھی تک ہماری خدمت میں کیوں حاضر نہیں کیا گیا۔

وقفہ۔۔۔۔۔

تیمور: ہم نے تم سے کچھ کہا تھا شاہ ملک۔
شاہ ملک: حضرت صاحب قرآن گوید لایا اعظم کے حکم کی تعمیل جو ابھی چاہتی ہے۔ میر عمارت میں اب حاضر ہوا ہی چاہتے ہیں۔

تیمور: اس نابکار نے مسجد کا ستیاناس کر دیا ہے۔ ہمارا اخیال تھا کہ وہ اپنے فن میں خوب مہارت رکھتا ہوگا مگر اس کی بنائی مسجد دیکھ کر یہیں معلوم ہوا کہ وہ فن تعمیر میں محض کورا ہے۔ اس قسم تخت نے اندر کے دالانوں کو زیادہ وسیع کیوں نہیں کیا۔
محمد جلد: کہاں ہے؟ یہ سب اس کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ ہم نے تعمیر کا یہ تمام کام اس لئے اس کے سپرد کیا تھا کہ وہ اپنی نگرانی میں ہماری مرضی کے مطابق مسجد بنائے۔ مگر وہ بالکل نااہل ثابت ہوا ہے۔

چوہدری: حضور محمد جلد قدم بوسی کی اجازت چاہتے ہیں۔

تیمور اپنا حاضر ہونے دو۔

وقفہ۔۔۔۔۔

ہمارا کچھ نہیں آتا کہ اس نے دالانوں کو زیادہ وسیع کیوں نہیں کیا۔
محمد جلد: غلام کو رش بجالاتا ہے۔ حضرت صاحبقران!

تیمور: تمہاری کوروش قبوں میں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ تم نے ہمارے احکام کے مطابق مسجد بنانے میں کراہی۔ تم نے یقیناً اپنی مرضی کو ہمارے احکام پر ترجیح دی ہے اور ایسی حد دل شکنی کی سزا تم جانتے ہی ہو بہت کڑی ہو اگرتی ہے۔

محمد جلد: مگر عالی جاہ۔۔۔۔۔

تیمور: ہم کوئی عذر بخشنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم تمہیں اس مسجد کا نقشہ اچھی طرح سمجھا چکے تھے جو ہم نے ہندوستان میں دیکھی تھی۔ اسی نقشے کے مطابق تمہیں ایک مسجد سمرقند میں تیار کرنے کے لئے ہم نے حکم دیا تھا۔ اس کا تمہارا ہاں کیا جواب ہے کہ دالان اتنے چھوٹے کیوں بنوائے گئے ہیں؟
محمد جلد: کیا تم اس کام کو جس کا ہم نے کل معاہدہ کیا ہے صنعت عمارت گری کے معراج سمجھتے ہو۔ کیا اس قسم کی عمارت پیش کر کے تم ہماری داد کے طالب تھے؟

محمد جلد: عالی جاہ۔۔۔۔۔ غلام کا اب کبھی یہی خیال ہے۔ چاہے وہ غلط ہی ہو کہ یہ مسجد ہمارے معماروں کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے۔ غلام اگر اس خیال کے ماتحت داد کا طالب ہو تو قصود اس خیال کا ہے۔

تیموریز۔ چوتھو خیال تمہارا ہے اور ابھی تک اس خیال کو اپنے دماغ میں پروش کر رہے ہو۔ اس لئے تم اور تمہارا خیال دونوں ہمیشہ کے لئے مٹ جانے چاہئیں۔ ہم اب جا سکتے ہو۔

محمد جلایہ۔ بہت اچھا عالی جاہ !

وقفہ

تیموریز۔ شاہ ملک !

شاہ ملک۔ ارشاد حضرت صاحبقران !

تیموریز۔ محمد جلایہ کی تمام جائداد املاک گورگاہان اعظم کے حق میں ضبط کر لی جاسکتے۔

شاہ ملک۔ حضرت صاحبقران کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔

تیموریز۔ اور محمد جلایہ کے لئے ہم موت کی سفر تجویز کرتے ہیں کہ وہ اسی لائق ہے۔

اس زمانے میں تیمور نے ان وزیروں کا کام بھی دیکھا۔ جن کو اپنی عدم موجودگی میں وہ حکومت کا کام سپرد کر گیا تھا۔ کسی کو انعام دیا کسی کو پھانسی پر چڑھا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی وہ قوت حیرت انگیز ہو گئی جس نے اس بڑے مہاراجے کے جسم کو زندہ کر رکھا تھا۔ تیمور کو اس کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ اس کا کیا وقت ہے۔ دو ہجری سے بشارت کم ہوتی جاتی تھی۔ آنکھوں کے چوڑے ایسے گرے رہتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا سو رہا ہے۔ عمر اس وقت ایک کم ستر کی ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں فرمان جاری کیا کہ ایک تہن

جاری کیا جائے۔ پورے دو مہینے تک اور کوئی کسی سے نہ پوچھے کہ یہ جشن کس تقریب میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ ریڑی شان اور ریڑی سے اہتمام سے جشن ادا کر دیا۔ خدایاتوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور دو مہینے تک جب دھندلا آفتاب سر قمر کے شیلگوں پہاڑوں کے چھپے چھپتا تھا تو تمام سحر قند ایک عالی جنات معلوم ہوتا تھا۔

جشن کا زمانہ مختتم ہوا تو امیر تیمور نے شہزادوں اور امیروں کی مجلس منعقد کی

تیموریز (بلند آواز سے)۔ ہم نے تمام ایشیاء کو سوائے چین و خاندانی کے فتح کر لیا ہے۔ ہم نے ایسے بڑے بڑے بادشاہوں کو ہرنگوں کیا ہے کہ ہمارے کارنامے دنیا میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ تم لوگوں نے بہت سی لڑائیوں میں ہمارا ساتھ دیا ہے اور ابھی ایسا نہیں ہوا کہ تمہیں فتح نہ ہوتی ہو۔ چین ہمارا دشمن ہے۔ اس کو فتح کرنے کے لئے بڑے بڑے زور اور ریڑی قوت کی ضرورت نہیں۔ بس اب ہم ملک چین کو ہمارے ساتھ چلاؤ۔ فتح و نصرت ہمارے آگے آگے وہاں پہنچ چکی ہے۔ ہم اپنے بزرگوں کی مردہ ہڈیاں اور ہڈیاں چین سے ہوتے ہوتے ملک خطا میں پہنچیں گے۔ دو لاکھ کا لشکر سر قمر میں جمع ہو جائے گا۔ اسے ہم مختلف دستوں میں تقسیم کر دیں گے۔ اور ان چھاؤنیوں کی طرف مدد دہن ہوں گے جو چین کی سرک کے کنارے ہم نے بنوا رکھے ہیں۔ جاؤ گے گئے ختم ہونے اور بہار کے آنے کا انتظار ہم مناسب نہیں سمجھتے۔

سپاہ کو فوراً اقرار دے کر پہنچو۔ ہم اترار میں کچھ دیر آرام کریں گے۔ اور پھر ان کے شہر عروج ہو رہے ہیں جب میرزا کی بیٹی فرما کا تحفیہ ہو گئی آگے بیٹھو جائیں گے۔

اس حکم کے مطابق مارچ سن چودہ سو پانچ کا آنا تھا کہ تیمور کا لشکر اٹھا اور چلا۔ پرچم اترار سے اور پھر میر سے اترنے لگے۔ گورد کوئی صد ہا بلند ہوئی۔ فوجوں نے معرکت کے لئے صفیں باندھیں ہزارہ جات کے افسروں نے اپنے اپنے نقارہ جیوں کو بچھ کر دات گورد نے پرچم رو سجا بھا کر صبح کی سلامتی اتاریں۔ غیری کی آواز میں بلند ہو گئیں۔ کوس اور نقارے گرجنے لگے۔ لاکھوں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز بھی اس شور میں شامل تھی

یہ سلامی تو بے شک تھی مگر ان کی جو دنیا سے چل بیسے تھے۔ اترار میں تیمور کا انتقال ہو گیا۔ لشکر حکم کے مطابق شمال کی سرک سے حرکت میں آیا۔ شاہی حکم کے سامنے میں اور غلیں، تیمور کا گھوڑا تیار کھڑا تھا۔ مگر اس پر کوئی سوار نہیں تھا۔ تیمور وقتِ نزع کی حالت میں تھا۔

سراستے خاتمہ یہ میں نے حضرت صاحبقران کی علالت کی خبر سمرقند۔ میں صوبہ بہت تیزی سے سفر طے کر کے اترار پہنچی ہوں۔ حکیم صاحب فرمائیے اب ان کا کیا حال ہے؟

فضل اللہ تاجری میزی: ملکہ عالم حضرت صاحبقران کا مرض علاج سے باہر ہے۔

سراستے خاتمہ: تو کیا۔ تو کیا۔

قبول میزی: مشیت میں کسی کو ممانہ ہے۔ اب حضرت صاحبقران کا وقت قریب ہے۔ ہزار ہفتن یہ غلام کر چکا ہے۔ بیٹے بیٹے نسخے تجویز کر چکا ہوں۔ مگر کوئی افادہ نہیں ہوا۔ ایک مقوی عرق کشید کر دیا تھا۔ اس کی کئی بوتلیں پلا کر چکا ہوں۔ مگر جسم میں عمارت پیدا نہیں ہوئی۔ اب کچھ دنوں سے قرآن خانی اور دوائیں دانتھنے کا سلسلہ جاری ہے۔

(دوسرے کمرے میں)

تیمور: دغیف آواز میں اشجاعت و مردانگی کے ساتھ ہمیشہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ہے۔ آپس میں اتفاق و یک جہتی رکھتا۔ نا اتفاق میں تباہی ہے۔ ملک خطا کی فرج کشی ہرگز ہرگز مانتوی نہ کرنا۔ سن رہے ہو۔۔۔؟

نور الدین شاہ ملک: سن رہے ہیں حضرت صاحبقران۔ تیمور: جب میں مجاہدوں کو کیش رہے۔ پھاڑنا۔ دیوانوں کی طرح بھاگتے نہ پھرنا۔ کیونکہ ایسی باتوں سے پریشانی اور بد نظمی پیدا ہوتی ہے۔ نور الدین: شاہ ملک تم مدنون اند قریب آ جاؤ۔ (وقفہ)

تیمور: قریب آ گئے۔ سنو۔ جہانگیر کے فرزند فقیر محمد کو میں اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں اسے سمرقند میں رہنا ہو کچھ تمام لشکر اور دیوانی معاملات پر اسے ہر سہ ہر سہ اختیار ہوں گے۔ میرا حکم ہے کہ تم سب اپنی تمام ٹھراؤں کی تابعداری میں صرف کرنا۔ اسے تمام دروازہ ملکوں اور سمرقند پر حکومت کرنی ہوگی اگر تم نے

اس کی اطاعت نہ کی تو کچھ اس کا نتیجہ شیش و زریع ہو گیا۔
 شاہ ملکہ یہ حضرت صاحبِ قدران کی وصیت کے مطابق عمل ہو گا۔
 مگر عرض ہے کہ آپ اپنے اور پوتوں کو بھی طلبِ فرمالیں۔ تاکہ یہ
 احکام وہ بھی اپنے کانوں سے سن لیں۔
 تیمورہ (اضطراب کے ساتھ)۔۔۔۔۔ بس یہ آخری دربار ہے۔ خدا کو۔
 — خدا کو یہ نہیں منظور تھا۔ (وقفہ — سر آہ بھر کر) اس وقت
 اور کوئی تمنا بجز اس کے نہ تھی کہ اپنے پوتے شاہ رخ کو ایک
 مرتبہ دیکھ لیتا۔ مگر یہ ناممکن ہے۔

یہ ناممکن کا لفظ غالباً پہلی مرتبہ تیمور کی زبان پر آیا۔ جس فولاد
 کی طبیعت نے زندگی کی راہ اس طرح طے کی تھی۔ جیسے مگر فی سنگلاخ
 آئینہ پر ملی چلا تا نکل جاتے۔ اس زندگی کے فاحشے کو بھی بلا غمزدہ
 شکایت تسلیم کیا۔

قلو پطرہ کی موت

قلو پطرہ دنیا کی حسین ترین عورت تھی۔ اس کا شوق کئی انقلابوں
 اور خونریز یوں کا باعث ہوا۔ اس ساحرہ کے حسن و عشق کے قصے
 بہاؤ دریا سے نیچے کے ساحلوں کو اندر بہا دیے ہیں۔ وہاں تمام دنیا کو بھی
 معلوم ہیں۔

قلو پطرہ مصر کے نالائق بادشاہ بعلیموس اور لیت کی بیٹی تھی۔
 یہ بادشاہ شہنشاہِ قبا، مسیحی حکمران رہا۔ اپنی سترہ برس کی جوان بیٹی
 قلو پطرہ کے سر پر اپنا زنگ خوردہ تاج رکھ کر اس نے دنیا کو خیر باد
 کہہ دیا۔

ملکہ مصر قلو پطرہ فاطمہ کی فاتح تھی۔ اس نے جو لیس سیر نہ کہ اند
 اس کی موت کے بعد مارک انطونی کو جس کے ہاتھ میں ان دونوں دنیا

کی باگ ڈور سنبھالی۔ اپنے حسن و جمال سے مسحور کیا۔

اس حسین قاتل نے انطونی کو تو ہمیشہ سے اپنے برابر کے سیلاب میں بہا دیا۔ تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ انطونی نے اپنی بیوی اوسکتا کے تعلق سے رومیہ سے مجبور ہو کر اس کے بھائی اوسکتے دیانوس کی سخت توہین کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے درمیان ایک وسیع فلیج عائد ہو گیا۔ پارٹھینون پر فتح حاصل کر کے اوسکتے دیانوس نے انطونی کے روم کو مکمل طور پر تاراج کرنے کی کوشش کی اور اسکندریہ کی پانی عظمت کو برباد دیکھا گیا۔ اس نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ روم کی سلطنت کا اصل حقدار قلعہ بصرہ اور اس کا بیٹا سیزرین ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اوسکتے دیانوس اور انطونی کی جہانتوں میں جنگ ہوئی ناگزیر تھی۔

چنانچہ اکتالیس کے مقام پر ایک معرکہ خیز جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں قلعہ بصرہ بھی شریک تھی مگر اپنی جہاد بچا کر بھاگ نکلی اور اسکندریہ میں پناہ لی۔ انطونی شکست کھا کر واپس چلا آیا۔ جہاں اس نے اپنی وفادار فوجوں کو دوبارہ جمع کرنے کی کوشش کی۔

انطونی اور قلعہ بصرہ اب کسیوں کی مدد سے تھے کہ انہوں نے ایک دوسرے کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ چنانچہ دونوں کے دلوں پر غم کی جھلکیاں چھا گئیں۔ لیکن ایک آرزو ابھی تک ان کے دل میں باقی تھی کہ انجام کار ان کا ملاپ ہو جائے۔

انطونی میدیا سے ناامید ہو کر اسکندریہ آیا۔ اس اثنا میں اوسکتے دیانوس کی فوجیں اسکندریہ کے دروازوں تک پہنچ گئیں۔

انطونی نے ایک بار پھر اپنی کھوئی طاقت اور لیری سے کام

لے کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ لیکن فوج نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بالکل تنہا دل میں ہزاروں حسرتوں کا خون لئے، جب وہ اپنے محل میں آیا تو قلعہ بصرہ نے خبر دی کہ قلعہ بصرہ نے خودکشی کر لی ہے۔ یہ دراصل قلعہ بصرہ کی ایک جہاد تھی۔ اسے ڈر تھا کہ انطونی اس کی غدارانہ پالیسیوں سے غشگین نہ ہو گا۔

لیکن قلعہ بصرہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے بڑی ہمتوں سے اپنے عاشق کو کہا بھئی کہ جس طرح ممکن ہو وہ اس کے پاس چلا آئے۔ چنانچہ انطونی کے ملازم اپنے زخمی آقا کو اٹھا کر اس عمارت کے دروازے تک آئے جس میں قلعہ بصرہ نے خود کو چھپا کر کھاتھا۔ قلعہ بصرہ نے خوف سے دروازہ نہ کھولا۔ ایک کھڑکی سے نیچے رسیاں پھینکی گئیں۔ جن کا مدد سے زخمی انطونی کمرے کے اندر لا گیا۔

قلعہ بصرہ :- انطونی — انطونی — (رود کر) — تیرے دشمنوں کو کیا ہو گیا ہے — یہ اہو — یہ اہو — کوئی ہے — کوئی ہے — آ کر اس — آ کر اس کچھ کر دو — رند سی — رند تاقی کی خاطر کچھ کر دو۔

انطونی :- یہ کون ہے — یہ کس کا ہاتھ ہے — تو زندہ ہے — تو زندہ ہے — آہ! میری موت کو کس قلعہ صدمہ پہنچا ہے۔ وہ مرموزہ تیری زندگی کی طرف دیکھ رہی ہے — قلعہ بصرہ — قلعہ بصرہ —

قلعہ بصرہ :- انطونی میں زندہ ہوں یہ موت کی گورد میں — تیرے دشمنوں تیری موت اکیلی سفر پر نہیں جائے گی تو تجھ پر شک کرتا ہے

انطوفی۔ تو سمجھتا ہے کہ میں نے لڑائی میں مجھے دھوکا دیا۔
 نہیں نہیں۔ مقدس دیوتاؤں کی قسم نہیں۔ میں ڈر گئی تھی۔
 جنگ کے میدان میں میری موت کے قدم بڑھ گئے تھے۔
 میں بھاگ نکلی، جان بچانے کے لئے نہیں خود کشتی کرنے کے
 لئے۔ اسی لئے میں نے تجھے اٹلا کر بھیجا۔ پر تجھے یہ معلوم نہیں
 تھا کہ توجھ سے پہلے اس راہ پر گامزن ہو جائے گا جس پر تیرا
 محبوب چلنے کا ارادہ کر رہا تھا۔

انطوفی:۔ جان من مجھے تجھ پر پورا بھروسہ ہے۔ چھوڑاں بیچارہ
 باتوں کو۔ زندگی اور موت کے درمیان جب ایک مٹھی بھر ریت کا
 فرق رہ جائے تو ایسی باتیں نہ کرنی چاہئیں۔ آؤ پیار محبت
 کی باتیں کریں۔

قلو پطرہ:۔ (پھوٹ پھوٹ کر روتی ہے) انطوفی۔ انطوفی !
 (تھوڑا وقفہ)

انطوفی:۔ قلو پطرہ یہ تو نے کیا کیا۔ اپنا سارا چہرہ میرے
 بڑے کا ہنسی بھی نہ دے سکے۔ زندگی کی یہ مختصر گھرٹیاں جو
 موت نے مجھے بخشی ہیں۔ فضول باتوں میں ضائع نہ ہوں۔
 جان من ابھی تک میرے پاس چرمنے کے لئے ہونٹ صحت کا نظارہ
 کرنے کے لئے آنکھیں اور تیری نفرتی آواز سننے کے لئے کان
 موجود ہیں۔ آ۔۔۔ اس پرانی یاد کو تازہ کریں، جب اودی
 اودی گھٹائیں جھوم کر آتی تھیں۔ اور تیرے برابطہ سے نغمے
 یوں اٹھتے تھے جیسے دو آتشہ شراب سے چنگاریاں۔

جب نیز آواز جو انہیں پسلیاں بکھیرتی تھی۔ یاد ہیں تجھے وہ
 دریائے نیل کی رانیں۔۔۔

(آواز نہ ہلکی ہو جاتی ہے)

قلو پطرہ:۔ (گھبرا کر)۔ انطوفی۔
 (تھوڑا وقفہ)

انطوفی:۔ (دھوش میں آ کر)۔ کیوں۔ نہیں، نہیں۔ میں
 میں زندہ ہوں مجھے یاد ہے میں کیا کہہ رہا تھا۔ دریائے نیل
 کی رانیں صرف اس لئے خاموش ہوتی تھیں کہ تجھے انطوفی سے
 کچھ کہنا ہوتا تھا۔ جو صرف اس لئے اندھ باری ہوتی تھیں کہ
 تجھے نقاب ڈالنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ تجھے یاد ہیں
 مجھے یاد ہیں وہ رانیں جب تیری اچلی بیٹانی سے میں سیاہ
 زلفیں یوں ہٹاتا تھا۔ جیسے یونانیوں کی دایہ اور ارات کے
 سیاہ پردے ہٹا کر مشرق کے رو پہلے بھانگ کھول دے۔
 آہ لیکن اب اس یاد کا مدفن بننے والا ہے۔ اس سینے میں جو کہ
 زخمی ہو رہا ہے۔ قلو پطرہ! تیرا انطوفی اب ہند گھر میں
 بہان ہے۔

قلو پطرہ:۔ (دھلا کر)۔ انطوفی۔ انطوفی۔ میرے
 مالک تیری کنیر کے دل میں اتنی طاقت نہیں کر رہا ایسی دیکھ
 بھری باتیں سن سکے۔ قلو پطرہ کے سینے میں خوراک کا
 دلا ہے انطوفی۔

انطوفی:۔ جب انطوفی مر جائے تو صبر کرنا اور زندہ رہنا۔

قلوبطرہ (جلا کر) ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔۔۔۔۔ قلوبطرہ کی زندگی تیری زندگی سے وابستہ ہے مایوسی نہ ہو پیار سے کیا پتہ ہے کہ یہ زخم اچھے ہو جائیں۔

انطوفی (دکڑو آواز میں) ان نئے زخموں نے پرانے گھوارے بھی ہرے کر دیتے ہیں میرے جسم سے اب خون کے آخری قطرے نکلا رہے ہیں۔ لیکن کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ وہ شخص جو لوہے اور لہجہ سے کھیلتا رہا جس کا اوڑھنا بچھونا جنگ کا میدان تھا۔ آج میدان جنگ میں کسی حریف کے ہاتھوں مارنے کے بجائے ایک حسین عورت کے زانوؤں پر سر رکھ کر جان دے رہا ہے۔۔۔۔۔ جنگ جو سپاہی ہونے کی حیثیت سے بچے یہ موت پسند نہیں اس لئے کہ کسی کشور کشافاتج کو ایسی موت زیب نہیں دے سکتی۔۔۔۔۔ لیکن چونکہ میں جنگی سپاہی کے مقابلے میں عاشق زیادہ ہوں۔ اس لئے یہ موت میرے لئے باعثِ راحت ہے۔ مجھے یہ اطمینان تو نصیب ہے کہ میں تیرے لئے مراہوں۔۔۔۔۔ صرف تیرے لئے قلوبطرہ۔۔۔۔۔ قلوبطرہ۔۔۔۔۔ انطوفی۔۔۔۔۔ انطوفی (جلا کر ہے)۔۔۔۔۔ انطوفی۔۔۔۔۔ آئرس۔۔۔۔۔ آئرس۔۔۔۔۔ آئرس میری دنیا تاریک ہو گئی۔۔۔۔۔ میں اور گئی۔۔۔۔۔ بر باد ہو گئی۔

شہر پر اب اور کتے دربانوس کا قبضہ تھا۔ انطوفی کی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اس لئے شہر کو مساد کرنے کی ضرورت

پیش نہ آتی۔

اور کتے دیا دوس نے قلوبطرہ کو گرفتار کرنے کی غرض سے ایک فوجی افسر گالس کو روانہ کیا۔ اس کی خواہش تھی کہ قلوبطرہ زندہ گرفتار کر کے اس کے حضور میں پیش کی جائے۔ گالس اس مہم میں کتنا کامیاب ہوا۔ اس کے متعلق تاریخ سے جہیں معلوم ہوتا ہے کہ بائیں کرتے کرتے وہ کس میلے سے قلوبطرہ کو دروازے کے پاس لے آیا۔ اس اثناء میں تین آدمی گھڑی کے ذریعہ سے عمارت میں اترے اور قلوبطرہ سے وہ خفیہ چھین لیا جسے وہ ہاتھ میں لئے گھڑی تھی۔ اس نے یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ اگر کسی نے اس کو گرفتار کرنا چاہا تو وہ خفیہ سے اپنا کام تمام کرے گی۔

قلوبطرہ کو معلوم تھا کہ اس کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جائے گا۔ اس نے جب یہ سنا کہ وہ جلا وطن کر دی جائے گی تو اس نے اجازت طلب کی کہ اسے انطوفی کی قبر کی زیارت کرنے دی جائے۔ یہ اجازت اسے مل گئی۔ چنانچہ آخری بار وہ چند سپاہیوں اور ایک دو سہیلیوں کے ساتھ انطوفی کی آخری آرام گاہ کی طرف روانہ ہوئی۔

قلوبطرہ (درونی آواز میں)۔۔۔۔۔ انطوفی۔۔۔۔۔ قبر کی گہرائیوں سے نکلا آ۔۔۔۔۔ تیری قلوبطرہ آنکھوں میں آنسوؤں میں غم اور جگر میں کئی غمیں لئے تیرے پاس آئی ہے مفوم ہے بے مددگار ہے انطوفی تیری موت اس زندگی پر ایسے نقش چھوڑ گئی ہے جو کبھی نہیں ہٹیں گے۔۔۔۔۔ تجھ سے اس نے سچی محبت کی صرف

تجہ ہی کو اس نے وہ گوہر دیا جس کو حاصل کرنے کے لئے فرشتے
بھی آسمان پر ترپڑ پڑتے ہوں گے۔

(پھوٹ پھوٹ کر روتی ہے)

قلوبطرحہ ۱۔ لیکن — لیکن میں تیری قاتل ہوں — میں نے ہی یہ
منوں مٹی تیرے سینے پر ڈالی ہے۔ تیری زندگی پر موت کا
بھاری پتھر میں نے ہی رکھا ہے۔ میں زندہ ہوں لیکن اکیلی۔
— تیری قبر کی تنہائی اس تنہائی سے کم خوفناک ہے جس میں کہ میں
لیٹی ہوئی ہوں — تو مردہ ہے۔ لیکن ایک نیا زندگی کے
راستے پر گامزن ہے۔ — میں زندہ ہوں لیکن موت کی تمنا
نہیں کر سکتی۔ وہ میری موت نہیں چاہتے۔ زندگی چاہتے ہیں۔
زندگی جو کہ مسلسل موت ہوگی۔ اے آرام کرنے والے اب
کہ تو موت کی آغوش میں بے خبری کی نیند سو رہا ہے، مجھ پر طرح
طرح کے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ قدرت کی ستم ظریفیاں
دیکھ۔ دیکھ کہ تو دوسرا ہے، اور مصر میں مدفون ہے میں مصری ہوں
اور روم میں دفن کی جاؤں گی۔ (انطوفی — انطوفی) —
— اس بیگمی کے عالم میں تجھے میں کچھ نذر نہیں کر سکتی۔
— میری زندگی حاضر ہے جس کے ہر ذرے پر تیرے بوسے اور
آغوش چکا رہے ہیں۔ — اب تیری کنیز کے دل میں کوئی
تمنا ہے تو صرف یہ کہ مرنے کے بعد اس تیرے پہلو میں دفن
کیا جائے۔ — کیا میری یہ خواہش پوری ہوگی۔ — کیا کچھ نہیں
کہہ سکتی۔ — کچھ نہیں کہہ سکتی

اوتکتے دیانوس نے حکم دے دیا تھا کہ ملک پر سخت پہرہ
رہے تاکہ وہ خودکشی نہ کرنے پائے۔ — اس کا ارادہ تھا کہ قیدی
بن کر قلوبطرحہ کو روم لے جائے اور وہاں اپنی فتح کی خوشی میں ایک شہنشاہ
جلوس نکالے۔ اس جلوس میں وہ قلوبطرحہ کو زنجیریں پہنا کر اپنے جلوس
میں رکھے۔ مگر ملک مصر کو یہ بے عزتی منظور نہ تھی۔
قلوبطرحہ اس عمارت میں جو کہ اس نے خاص طور پر اپنے لئے ہی
آئیسس کے مندر کے پاس بنوائی تھی نظر بند تھی۔ اس کے ساتھ
اس کی دو خواہیں تھیں۔ آنکس اور شارمین۔

(آنکس ملک مصر کو یہ گیت سناتی ہے)

اے نیل کی رانی

رفتار میں اڑتے ہوئے باد کی روانی

جو غٹوں کے غٹوں پر شفق آلود سلاہانی

اے نیل کی رانی

سینہ ہے کہ لہروں پہ کنول تاج رہے ہیں

زلفیں ہیں کہ لہرائی ہے سادوں کی جوانی

اے نیل کی رانی

قلوبطرحہ ۱۔ (دانتا کر) — بند کر — بند کر — بند کر آنکس اس
عجبت کو — موت کو ایسی لوریاں نہ سنا آئے دے اسے

— آنے دے —

آئیں۔۔۔ ملکہ مصر کی طبیعت آج ناساز معلوم ہوتی ہے۔
 قلو پطرہ :- (ہنستی ہے) ملکہ مصر — میرا مذاق اڑاتی ہے آتری؟
 — تیری اس ملکہ سے تو وہ بانٹری بجائے نہ والی چھوڑیں ہزار
 درجے بہتر ہیں جو اپنا گلا جب چاہیں کاٹ سکتی ہیں بلکہ مصر سے
 تو وہ کسبیاں بڑے آرام اور سکون میں ہیں جو اسکندر یہ کی نگلی
 کوہر میں سہ گزروں سے آنکھیں لڑاتی ہیں۔ کیا واقعی میں ملکہ
 ہوں — کیا واقعی میں مصر کی وہ سرکش حکمران ہوں جس کا غلام
 بننے میں انطوقی جیسے فاتح نے فخر محسوس کیا — کیا سچ پنج میں
 وہ ہی بہارانی ہوں جس کے ابرو کے ایک اشارے سے پرہیزگار
 جیسا باغی ناجا — کیا میں وہی حسینہ ہوں جس کی ایک ادانے
 سیز کو تمام جنگی واقعات پہنچا دیتے — نہیں، نہیں! میں
 کچھ بھی نہیں ہوں۔ صرف ایک عورت باقی رہ گئی ہوں جو وہ میوں
 کے خوف سے چہرہ پیما کی مانند اپنے بل میں دیکھا بیٹھی ہے۔ میں
 مختصر یہ کہ فقار کی جاتوں کی — میرے ان گور سے تیرے دشمنوں
 میں جن پر سونے اور چاندی کے خزانوں سے بھجھنا نہیں بچھا دے کرتے
 تھے۔ تو ہے کی موتی زنجیریں پہنا کر وہ تجھے روم کے بازاروں
 میں پھولیں گے، تجھے ننگا کر دیا جائے گا۔ روم کے کھجوروں اور
 جمنا مرنے کی آنکھیں بھی اس مسن کا نظارہ کرے گی جو اب تک صرف
 چند خوش نصیب لوگوں تک محدود رہا ہے۔ روم کا تہتا ہوا
 سودی تیرے اس گور سے ہوتے جسم کی تمام رعنائیاں جسم

کر دے گا — ملکہ — کیا ملکہ ایسی ہی بد نصیب عورتوں کا
 نام ہوتا ہے؟

(وقفہ)

کیا اس زلت سے بچنے کی کوئی ترکیب نہیں۔۔۔

شارمین :- جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔
 قلو پطرہ :- (ہنستی ہے) — جان کی امان — کہہ تجھے کیا کہنا
 ہے — شارمین تیری ان سیاہ آنکھوں میں آئینہ آج ایسے
 چمک رہے ہیں جیسے کالی گھٹاؤں میں پانی — بتا تجھے کیا
 کہنا ہے؟

شارمین :- ملکہ مصر، ملکہ مصری رہے گی — اس کے دشمنوں کو اپنے
 اردوے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

قلو پطرہ :- کیسے — کیسے شارمین! جلد بتا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟
 شارمین :- میرے منہ میں خاک — اگر ملکہ کو دشمن ذلیل کرنے
 ہی کا ارادہ رکھتے ہیں تو بہتر ہے کہ۔

قلو پطرہ :- لیکن یہ کیوں ہو سکتا ہے — تو ٹھیک کہتی ہے شارمین
 اس ترکیب سے ملکہ، ملکہ ہی رہے گی۔ مرنے دم تک اس کی
 شہانہ میں فرق نہیں آئے گا۔ لیکن تو جانتی ہے ہم پر کتنی کڑی
 نگہانی کا جا رہی ہے۔ فرشتہ موت کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ
 اگر پہرہ داروں نے سن لی تو معلوم ہے، تجھے اڑکتے دیا تو س
 میری اولاد کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا — اور تو جانتی
 ہے، اگر میں اپنی کوشش میں ناکام رہی تو وہ موت کے دواؤں سے

ایک طرحے تک مجھ پر جبر کر دے گا۔ وہ مجھے آہستہ آہستہ مارنا چاہتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ بقول تیرے اس کو اپنے اراکوں میں ناکامی ہونی چاہئے۔ آکرے۔ آکرے۔

آکرے۔ اور شاہ !

قلو پطرہ ۱۰۔ مجھے ایک ایسا سانپ چاہئے جو صرف ایک بار ڈسنے سے مجھے موت کی نیند سلا دے۔ کیا اسکندر یہ گے سپرے تیری کالی زلفوں کے بدلے مجھے ایسا سانپ نہیں دیں گے ؟

آکرے میں ۲۔ کنیز کو شمش کرے گی۔

قلو پطرہ ۱۱۔ اور دیکھ یہ سانپ اس طور پر میرے پاس لایا جائے کہ بھرے داروں کو بالکل شک نہ ہو۔

آکرے میں ۳۔ ٹونڈی ہو شیار ہی سے کام لے گی۔

قلو پطرہ ۱۲۔ شاہباش آکرے شاہباش ائیر کا ملکہ کی موت ہمیشہ تیری امداد مند رہے گی۔ اب تو جو اعدا پنا کام کیے۔ میں اس گھر سے میں تیسرا انتظار کروں گی۔

(شارمین بربط کے تار چھڑتی ہے)

قلو پطرہ ۱۳۔ شاہمین چھوڑ اس بربط کو۔ جا میرے خلیل کا سامان تیار کر۔ میرا بہترین لباس نکال۔ میرا جسم آج قیمتی عطیوں میں لبادے سے۔ ملکہ ملکہ ہی رہے گی۔ اس کا وقار کبھی اس آدمی کے آگے گھٹے نہیں ٹھیکے گا۔ جا میری موت کے استقبال کی تیاریاں کر۔

قلو پطرہ ۱۴۔ غسل کیا۔ شارمین نے اس کو خود قبضوں میں لپیٹ دیا جو لباس اس نے موت کا استقبال کرنے کے لئے پہنا بہت مہینے اور خوش رنگ تھا۔ سر پر تلخ تھا، جس پر گدھ بنا ہوا تھا۔ گدھ کے پھیلے ہوئے پر قلو پطرہ کے کالوں کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ وہ بلا کی حسین نظر آدمی تھی۔

قلو پطرہ ۱۵۔ شارمین ادھر آ۔ اور ان البیلی اور بد مست را مشکروں کی داستانیں سنا جو اسکندر یہ کی گذر گاہوں پر حسن و عشق کا چھڑکاؤ کرتی رہتی ہیں ان الیہ چیلیدہ بھیلی کم سس بالہ سری جوائے والی چھو کر یوں کی باتیں کر جو مصر کے باغیچوں میں اپنی جوائے کے راگ الاپتی پھرتی ہیں۔ دیوی امشہ کے مندر میں جانے والی ان کنواریوں کے رنگین فسانے سننا جن کی جوانیاں پھٹ پڑنے والے جام ہیں۔ مصر کے ان عشق پیشہ نوجوانوں کی کہانیاں بیان کر جن کے لبادوں کی ہر شکن میں کئی کپکپاہٹیں اٹکی رہتی ہیں۔

شارمین ۲۔ کنیز کو گانے کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔

قلو پطرہ ۱۶۔ تو اب بربط اور ایک ایسا گیت سنا کہ فرشتے بھی آسمان کی گھڑ کیاں کھول دیں۔

(شارمین یہ گیت گاتی ہے)

پل پل تارے ٹوٹ رہے ہیں کیوں تیرے ہیں سے

— آہ! غریب آئرس مرگئی۔ شہار میں لایہ ٹوکری مجھے دے۔
میسری کنیر میسری راہ دیکھتی چو گی۔ میں اسے زیادہ دیر تک انتظار
میں نہیں رکھنا چاہتی۔ آہ! ان نازنجیوں کی خوشبو کتنی پیاری ہے۔

(وقف)

سورج غروب ہو رہا ہے۔ کالی گھٹائیں چھا رہی ہیں
میں دعا مانگنا چاہتی ہوں شہار میں۔ میں دعا مانگنا چاہتی

ہوں۔

— لیکن مجھ سے تو سارے دیوتا ناخوش ہیں۔

(مدر سے عبادت گاہوں سے غرضی اور فرنگی کی ہلکی
ہلکی آواز آتی ہے)

قلو پطرحہ ۱۔ آہ — یہ فرنگی اور ترمی کی دھیمی دھیمی آواز
کتنی خوشگوار ہے — آج دریا سے ٹیل بھی کھٹنا
کھرا ہوا ہے — شہار میں میسری محبت کی ساری
داستانیں اسادریا کی لہروں میں بیٹی ہوئی ہیں۔

— الوداع ٹیل کی بل کھاتی ہوئی لہروں الوداع —

— بدیت کے ٹیلے کے پچھے پچھے داسے سورج
الوداع — ریگستان میں لہرائی ہوئی بگڑنڈیر الوداع
— گھوڑے لالچے لالچے درختوں میں اسلام قبول کرو
— گھاس کی کامتی ہوئی قبیو میرا سلام لو — قلو پطرحہ
زندگی سے میلہ ضرور کرتی ہے — پر موت سے ٹل دیتی

نہیں — موت آہ! ایسے حالات میں موت کا ذائقہ کتنا
شیریں ہوتا ہے۔

(ٹوکری کاڑھکنا کھولتی ہے۔ سانپ اسے بوستا ہے)
شہار میں الوداع —

(قلو پطرحہ منکر مصرع میں پر عمر پڑتی ہے)

سن اٹھارہ سو اکیس ایپریل کی انہیں تیار رہے۔۔۔ رات کے دو بجے ہیں۔ لاٹک وڈ کے سارے کوئی چاگ رہے ہیں۔ سب باری باری اس آوی کی تیاردادی کر رہے ہیں جو بستر پر اپنے آخری سانس کے رہا تھا۔ شہنشاہ نہیں جس نے ایک بار کہا تھا میں وہ جٹان ہوں جیسے فضا میں پھینک دیا گیا ہو۔ بحر اوقیانوس کے ایک چھوٹے چاؤ جیسے پانی میں بستر مرگ پر پڑا ہے۔ موت کے سب سے بڑے بیوہ باری کے سر ہانے اس کی اپنی موت گھڑی ہے۔ یورپ کے اس عالی وقار حکمران کے چہرے کی کیفیت ظاہری ہے۔

فیصلین، (ہدیائی کیفیت میں) — ڈاکٹر بیگسٹر — ڈاکٹر بیگسٹر —
— کہاں سے ڈاکٹر بیگسٹر — تم آج — کہاں جو تم

— ادھر آؤ ڈاکٹر — ادھر آؤ —

صلوات اللہ علیہ۔ عالی صواب — ڈاکٹر بیکیٹر یہاں نہیں ہیں۔۔۔۔۔

! empty

منہ بولیں۔ ڈاکٹر تم میری کیوں نہیں مانتے۔ ہم بیمار ہیں سعدت
 بیمار ہیں کتنے تعجب کی بات ہے! ہم بیمار ہیں۔ یہ دیکھو
 ہماری بیماری کے متعلق چھپے ہوئے بلین۔ کیا اب بھی یقین نہیں
 لایا۔ کیا تمہیں قید ماننے کے درود نے ہماری نگرانی کے
 لئے نہیں بھیجا۔ ہمیں تمہاری بات سنانی نہیں دیتی۔
 ذرا اور کئی نولہ۔۔۔ ڈاکٹر بیکسر۔۔۔

مارشمان: عالی جاہ! زیادہ گفتگو نہ کریں۔ ڈاکٹر بیکسٹر ان گلسٹان چلے گئے ہیں۔

— (آواز دھیمی ہو جاتی ہے) —

(مارشالان ادا نظر مارے آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہیں)

مادرشان بد رات بھر ڈاکٹر بیکسٹر کو بلاتے رہے ہیں۔
انظوار مارشلے تعجب کی کوئی بات نہیں۔ شہنشاہ کو ڈاکٹر بیکسٹر
سے نفرت ہے اور بغض کی رفتار ایک سو ساٹھ ہے۔

(لیوینس پڑھتا ہے)

نپولین ۱۔ انطو مارشے تم ہی ڈاکٹر بیکسٹر سے کہو کہ ہم بہت بیمار ہیں۔ — ہم صفتِ علیل ہیں۔ ہم بہت تکلیف برداشت

گمراہ ہے ہیں۔ کوئی ڈاکٹر بیکسٹر تک ہمارا پیغام کیوں نہیں پہنچاتا۔۔۔ اومیر کا تم سے رہے جو ہم کیا کہتے ہیں، ہم یورپ میں ہیں۔۔۔ یورپ۔۔۔ سارا یورپ سمٹ کر ہمارے اندر سا گیا ہے۔ فرانس کی شکست ناممکن ہے۔ ہمارے جانناڑ سپاہی آخر دم تک لڑیں گے اور فتح ان کی ہوگی۔
 — (دیوانہ وار ہنستا ہے) —

شکست ناممکن ہے۔ ناممکن ہے۔ (سہم کر) پر یہ لوگ کیوں آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ یہ کون ہیں جو گدھوں کے مانند منڈلا رہے ہیں۔ (بلند آواز میں) ڈاکٹر بیکسٹر تم ہمارا علاج کیوں نہیں کرتے۔ آہ! لیکن ڈاکٹروں اور جرنیلوں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کی غلطیوں سے قبرستان آباد ہو رہے ہیں۔ اور بیکسٹر جیسے کئی ڈاکٹر میں نے مولیر کے مزاحیہ ڈراموں میں دیکھے ہیں۔ ڈاکٹر اومیر کہاں ہے ادھر آؤ۔ (نہیں جوا ب کے انتظار میں خاموش ہو جاتا ہے)

مارشالان: (وجہ لہجے میں) عالی جاہ! خاموش رہیں۔ یہاں نہ ڈاکٹر بیکسٹر ہے اور نہ ڈاکٹر اومیر۔ آپ آرام فرمائیں۔

نپولین: (جاکڑا ہوا) اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یورپ کی بساط سیاست ہم سمجھ لٹے نہیں دیں گے۔ ڈاکٹر بیکسٹر رحم بتاؤ ہمیں اب کیا کرنا چاہئے؟

— (ہنستا ہے) — تم سیاست سے بالکل کورے ہو۔ سپاہیانہ جوش بھی تمہارے اندر موجود نہیں۔ اور

خاموش کیوں کھڑے ہو۔ ہماری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے ہم پوچھتے ہیں روس کے میں اپنی علاقوں میں ہماری فوجوں کا گزر کیوں ممکن نہیں۔۔۔ نپولین ٹھوس چٹانوں میں اصرار کر سکتا ہے۔ کیا یہ جھوٹ ہے۔

مارشالان: عالی جاہ! انطو مارشے اب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔ مجھ سے شہنشاہ کی یہ دانت نہیں دیکھی جاتی۔
 — عالی جاہ! خاموش رہیں، زیادہ نہ بولیں۔ آپ سو تکلیف ہوگی۔

(نپولین بڑبڑاتا ہے)

نپولین: تکلیف۔۔۔ تکلیف۔۔۔ مقابلہ کرنا ہے۔
 ہمیں بہت سے مقابلے کرنا ہیں۔
 (دوسرے روز)

مارشالان: عالی جاہ! رات بھر دیر تک آپ کے دشمنوں کی طبیعت خراب رہی۔

نپولین: (ہنستا ہے) دشمنوں کی۔۔۔ مارشالان اب ہم بالکل ٹھیک ہیں صرف تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔ بدین دکھ رہا ہے۔ مارشالان: بیماریاں جنگ سے زیادہ کڑی ہوتی ہیں۔ مارشالان: عالی جاہ! آپ کی پسندیدہ شراب کا ایک جام حاضر ہے نوش فرمائیے گا؟

نپولین: ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔
 (مارشالان شراب کا جام پیش کرتا ہے)

نیپولین :- (پیٹے کے بعد) کتنی فرحت بخش ہے ۔ کتنی اچھی ہے ۔
 مارشان :- عالی جاہ ! اکثر انظومار شے تشریف لائے ہیں ۔
 آپ کی خیریت دریافت کرنے کے لئے ۔

نیپولین :- ہم سب جانتے ہیں ۔ وہ کسی لئے آیا ہے ۔ مارشان اس
 سے کہہ دو ہم دور ہرگز نہیں پئیں گے ۔ یہ چیزیں ہمارے مزاج
 کے موافق نہیں ہیں ۔

انظومار شے : صبح بخیر عالی جاہ !

نیپولین :- آہ — تم آگئے — آؤ — آؤ — لیکن
 ہم دوا وغیرہ کی کوئی نہیں منیں گے ۔

انظومار شے :- پلستر کوئی دوا نہیں عالی جاہ !

نیپولین :- پلستر — پلستر — یہ اب نئی بلا کیا آتی ہے ؟
 انظومار شے : کچھ نہیں عالی جاہ ! صرف حضور کے پیٹ اور
 پنڈلیوں پر مجھے دو پلستر لگانے ہیں ۔ ان سے آپ کو فائدہ
 ہوگا ۔ تکلیف بہت کم ہو جائے گی ۔

نیپولین :- یہ سب وادھیاں چیزیں ہیں ۔ ہمیں ان پر کوئی اعتقاد
 نہیں ۔ یہ تمہارا طبیب و سب بگو اس سے ۔

انظومار شے : مگر عالی جاہ ! ان پلستروں کا لگانا بہت ضروری ہے ۔
 نیپولین :- (تنگ آکر) بہت ضروری ہے تو لگاؤ — ایسا ہی
 سہی ۔ مگر میں یقین ہے کہ ان سے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا ۔
 — ہمارا آخری وقت قریب آگیا ہے ۔ اس لئے ہم ضد نہیں
 کرنا چاہتے ۔ چلو لگاؤ پلستر ، یہ جلد بھی کر کے دیکھ لو ۔

انظومار شے :- اور دوا کی چھوٹی سی خوراک ۔۔۔
 نیپولین :- (بگڑ کر) چھوٹی ہو یا بڑی ہم ہرگز نہیں پیئیں گے ۔
 تمہیں صرف پلستر لگانے کی اجازت ہے دوا ہم نہیں پیئیں گے ۔
 انظومار شے :- عالی جاہ !
 نیپولین : مارشان ۔

مارشان : جہاں پناہ !

نیپولین :- ہم چشمے کا پانی پینا چاہتے ہیں ۔

مارشان :- ابھی ماضی کرتا ہوں عالی جاہ !

انظومار شے : حضور اجازت دیں تو میں پلستر تیار کروں ؟

نیپولین :- تمہیں اجازت ہے ۔ لاؤ مارشان پانی لاؤ ۔

(مارشان پانی کا گلاس دیتا ہے)

نیپولین :- دیکھ اس پانی نے کتنی فرحت بخشی ہے ، میں ہم تمہارا
 شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ مارشان دیکھو ، اگر میں وہاں مرنے
 کی اجازت دے دی گئی ، جہاں کہ ہم پیدا ہوئے تھے تو ہمیں
 اس چشمے کے پاس دفن کرنا جہاں سے یہ پانی لایا گیا ہے —
 نکھو — نکھو — جو کچھ ہم کہتے ہیں نکھو — جو کچھ ہم
 کہتے ہیں نکھو — فوراً نکھو — (لہجہ تمکداز ہو جاتا ہے) ۔
 — ہم کہتے ہیں نکھو — سنئے ہو مو متھو لون ۔

موتھو لون :- عالی جاہ ! (کانپتی ہوئی آواز میں)

عالی جاہ :-

نیپولین :- ہم کہتے ہیں نکھو ۔ ہم بولتے جاتیں گے تم لکھتے جاؤ ۔

— (زوردار آواز میں) لکھتے ہو یا نہیں۔

(مونتھولون کا پتے پر ہاتھوں سے کاغذ اور قلم پکڑا ہے)
مونتھولون: دیکھنا ہٹ میں لکھتا ہوں عالی جاہ — میرا قلم
کہاں ہے — شہر پتے میں شمع روشن کر دوں۔
— وقف —

ارشاد۔

نیپولین: دشمن فرانس پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ مونتھولون
دشمن لہجہ میں) سننے لگیں۔ ایک آندھی کی آغوشی دکھائی دے
رہی ہے۔ ایک طرف انسا اٹھا چلا آ رہا ہے ہمارے
وطن کی جانب۔ اٹھو اٹھو روکو اسے۔ فرانس کے بہادر
سپاہی تو سیمہ پلائی دیوار بن جاؤ۔ دیکھو تمہاری آزادی
سلب نہ ہونے پائے۔ دشمن کو اپنے پاؤں تلے روند
ڈالو۔ علف اٹھاؤ۔ اپنے شہنشاہ کے روبرو حلف
اٹھاؤ۔ حسن و عشق سے بیگانگی۔ ازدواجی زندگی
سے بیزارم و استرعام سے نا آشنائی۔ رات کی
سیاہی اور خون کے اجالے میں تلواروں اور ہندو قور کا
بے خوف استعمال۔ امید؟ خوف اور مستقبل سے
بے نیازی۔ قتل اغارت گری! انتقام!! حتیٰ کہ تمہارا
وطن دشمن کے وجود سے پاک ہو جائے۔ لکھ رہے ہو
مونتھولون؟

مونتھولون: لکھ رہا ہوں عالی جاہ۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔

نیپولین: یاد رہے کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی جو کہ زندہ رہنے کا
صلیقہ نہ جانتی ہو جیسے کہ صلیقہ موت سے سیکھو۔ میدان جنگ
کی خون آلود گھاٹیوں سے حاصل کرو۔۔۔۔۔ لہو۔۔۔۔۔ لہو
لہو۔۔۔۔۔ رگوں سے لہو بہنے دو۔ اس لئے کہ یہ پیرا ہی اس
لئے ہوا ہے کہ ہے۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اور خون کے دو قطرے
جو وطن کی عزت و ناموس بچانے کے لئے تمہاری رگوں سے
نکلیں گے۔ فتح و نصرت کی دہلیز انہیں اپنا سب سے قیمتی
زیور بنا کر رکھے گی۔ فرانس۔ فرانس۔ نیپولین اعظم
کی جوائی کا سب سے حسین خواب دنیا کی انگوٹھی میں سر سے
درخشاں نگینہ۔۔۔۔۔ غیر دار جو کسی نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر
دیکھا۔ اٹھو اٹھو اور سارے فرانس میں فوجوں کا مال پھاڑو
اور۔۔۔۔۔ اور ڈاکٹر بیکسٹر تم کہاں ہو۔۔۔۔۔ مارشان۔
مارشان۔ دیکھو لوگ ہم پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ وہ
ہمیں موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہیں۔ انقلاب کو
فنا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنی حفاظت کریں گے اس لئے
کہ انقلاب ہم ہیں۔ نیپولین اعظم ہی انقلاب ہے۔ نیپولین کا
دب دہ۔۔۔۔۔ نیپولین کا دب دہ۔۔۔۔۔ لکھو لکھو مونتھولون تمہارا قلم
ہمارے خیالات کا ساتھ نہیں دیتا۔

مونتھولون: عالی جاہ الگ رہا ہوں۔

نیپولین: روکو نہیں مونتھولون۔ لکھتے جاؤ۔ تم جاننے نہیں
یورپ کی تقدیر میں ہم۔۔۔۔۔ آہ۔۔۔۔۔ آزادی۔۔۔۔۔

— کس قدر اونچا ہے وہ انسان جو آزاد ہوا اور کس قدر
نیچے گر جاتا ہے۔ جب وہ غلام ہو جاتے۔ فرانس کبھی غلام
ہو جاتے۔ فرانس کبھی غلامی قبول نہیں کرے گا۔
کبھی نہیں کرے گا۔ لیکن (نیپولین کے خیالات کا سلسلہ
ٹوٹ جاتا ہے)۔۔۔۔۔ نہیں نہیں ہم چشمہ کا پانی پیتے تھے۔
— تم لوگ میدان جنگ میں کیوں نہیں جاتے۔
لکھو۔ لکھو۔

مونتھولون: عالی جاہ اب مجھ سے نہیں لکھا جاتا۔

مارشان: آپ آرام فرمائیے عالی جاہ!
نیپولین: (تھکے ہوئے لہجے میں) آرام۔ آرام۔۔۔ کیسا آرام
(بیٹھتا ہوا خاموش ہو جاتا ہے)
مونتھولون: (مارشان سے) غصہ کرے کہ اب ان کا آنکھ لگ
جاتے۔

مارشان: معلوم ہوتا ہے تکلیف بہت زیادہ ہے۔ ابھی
صبح ہونے میں کئی گھنٹے باقی ہیں۔

(نیپولین بڑبڑاتا ہے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے)

مونتھولون: آہستہ بولو مارشان۔ حضور سو رہے ہیں۔

(مزید لمحات کے لئے خاموشی طاری ہو جاتی ہے)

مارشان: مونتھولون۔ مونتھولون (مضطرب ہو کر) دیکھو
شہنشاہ۔۔۔۔۔ تکلیف کے نیچے کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔

نیپولین: میرا بیٹا کہاں ہے۔ میرا بیٹا کہاں ہے۔

— تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ میرا بیٹا

— میرا بیٹا۔ مارشان۔ مارشان۔ تصور یہ

لاؤ۔ میرے بیٹے کی تصویر یہ کہاں ہے؟

مارشان: عالی جاہ! تصویر وہ سامنے لٹکی ہے۔ آپ لیٹ

جائیے آرام فرمائیے۔

نیپولین: ہاں۔ ہاں۔ یہ میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا بیٹا ہے۔

(چوتھے روز)

مونتھولون: مارشان۔ آج عالی جاہ کی طبیعت میں کچھ سکون ہے۔

مارشان: یہ سکون ہی تو مجھے کسی زبردست طوفان کا بیٹا

معلوم ہوتا ہے۔ مجھے ڈر ہے۔

(نیپولین اٹھ کر زور سے گرتا ہے)

نیپولین: اگر روسوند ہوتا تو فرانس میں انقلاب برپا نہ ہوتا۔

— نیپولین نہ ہوتا تو نقش کہن کو شانے کا عمال پیدا نہ ہوتا۔

مارشان!

مارشان: عالی جاہ!

نیپولین: طو لوں کا محاصرہ ہو رہا ہے۔ اُن۔ میری ٹانگ

پر گہرا زخم آیا ہے۔ یہ ٹوکڑ کیا بکواس کرتا ہے کہ ہمیں

بستر میں آرام کرنا چاہئے۔ زخمی ٹانگ کے لئے ہم اپنا دقار

زخمی کرالیں ہرگز نہیں۔

شور ڈاکٹر۔ ہمارا ٹانگ کو کچھ بھی نہیں ہو گا۔

قطعاً طور۔ کچھ نہیں ہو گا۔ کچھ ہو ہی نہیں سکتا کل یا پرسوں

طولوں پر ہمارا بھنڈا لہرائے گا۔ طاقت۔ طاقت۔ اور طاقت۔ ہم طاقت چاہتے ہیں۔ وہ طاقت جسے ہم نے اتنے برسوں سے اپنا داسٹر بنا رکھا ہے ہمیں طاقت سے محبت ہے جس طرح موسیقار ساز سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح ہم طاقت سے محبت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم اس ساز سے جیسا نغمہ چاہیں نکال سکتے ہیں۔ یہ پوپ ہمارا حکم کیوں نہیں مانتا۔ ہماری خواہش ہے کہ وہ ہمارے احکام مانے۔ اس لئے کہ ہم سیاسی دنیا کے علاوہ مذہبی دنیا پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری طاقت، ہماری عظمت، ہمارے وقار سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کسی کو انکار کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں خدا کی طرف سے ہیں دی گئی ہیں۔ پانچ برس میں ساری دنیا پر پوپ لین اپنے نقش قدم چھوڑ جائے گا۔ درعب دار آواز ہیں)۔ یہ کس نے کہا ہے کہ یہ سراسر دیوانگی ہے۔ (بستر پر سے کود پڑ تلے)

مارشالان: موصوفوں۔ برٹرین۔ دوڑو۔ عالی جاہ کو کچھ ہو گیا ہے۔ (نیپولین مارشالان کو گلے سے پکڑ لیتا ہے اور دباتا ہے)

مارشالان: (دھنچی بونی آواز میں)۔ عالی جاہ۔ عالی جاہ۔ موصوفوں مجھے بجاؤ۔ (دو میں آدمی مل کر مارشالان کو نیپولین کی گرفت سے چھڑاتے ہیں اور بستر پر

(آواز دیتے ہیں)

مارشالان: (دکھانتا ہے) اُف۔ کتنی زبردست گرفت تھی۔ نیپولین: مارشالان! مارشالان: عالی جاہ!

نیپولین: فرانس کے بہادر جرنیل ویسے استینگل اور منیا کی فتح قریب ہے۔ دوڑو۔ بھاگو۔ بریگیڈ نمبر پچیس چلو فتح تمہاری ہے خبردار جو کسی کے قدم پیچھے پڑے ہیں۔ ہیں ایک لاکھ آدمیوں کی ضرورت ہے۔

ایک لاکھ بہادروں کی جو ہماری سرکردگی میں آ رہی ہیں کہ دنیا پر بھا جائیں۔ ایک بار پھر جنگ کے شعلے لگیں۔ ایک بار پھر اقوام عالم کی سیاست ہمارے حضور میں لائے۔ ایک بار پھر فتح و نصرت ہمارے قدم چومے۔ (رجوش میں آگیا۔ پورے زور سے حملہ کرو۔ ساری دنیا ہماری ہے برصغور۔ بڑھو۔ بڑھو۔)

مارشالان: عالی جاہ۔ دیکھو موصوفوں کہیں گرنہ جائیں۔ کہیں چوٹ نہ آجائے۔

موصوفوں: زور سے پکڑ رکھو۔ زور سے مارشالان۔ نیپولین: (تھک کر) بڑھو۔ بڑھو۔ بریگیڈ نمبر ۳۶۔ بڑھو۔ بڑھو۔ (آواز گزرتی جاتی ہے)

موصوفوں: (سب اب چھوڑ دو۔ آرام کرنے دو۔ چند لمحات خاموشی طاری کرتی ہے)

نیپولین: (بڑے رخم انگیزہ میں) — ماں — ماں —
— تم کہاں ہو؟

جب شہنشاہ کی حالت نازک بیان کی گئی تو سینٹ ہلینا کے گورنر ہڈسن کو بہت فکر لاحق ہوئی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا شاہی قیدی مرجائے۔ وہ نیپولین کی جان بچانے کے لئے بہت کچھ کوشش کرنے کو تیار تھا۔ چنانچہ فوراً اس نے چارطبیبوں کی ایک مجلس قائم کی تاکہ مریض کی جان بچائیں۔

آرنسٹ امیری رائے ہے کہ انہیں تھوڑا دودھ دیا جائے آپ کا کیا خیال ہے ڈاکٹر بریڈرین؟
برٹ مین: ڈاکٹر انطو مارشے سے پوچھتے۔
انطو مارشے: جہاں تک مجھے علم ہے شہنشاہ کبھی دودھ نہیں پی سکے۔ ایسی حالت میں۔۔۔۔

آرنسٹ: لیکن حضرت دودھ تو غذائیت سے بھرپور ہے۔ کیوں نہ امتحاناً پلا کر دیکھیں۔

انطو مارشے: میں اس کے خلاف ہوں۔ شکمی مرض میں دودھ کی ممانعت ہے اس لئے کہ یہ زود ہضم نہیں ہوتا۔

شادوٹے: یہ بحث مباحثہ فضول ہے جب تک مریض کا معائنہ نہ کیا جائے۔ کوئی رائے نہیں دی جاسکتی۔

برٹ مین: میں اندر جا کر شہنشاہ سے دریافت کرتا ہوں۔ کہ

شاید وہ آپ لوگوں کو معائنہ کی اجازت دے دیں۔

(برٹ مین اندر شہنشاہ کے پاس جاتا ہے)

برٹ مین: عالی جاہ! — ڈاکٹر حاضر ہوئے ہیں — آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

نیپولین: ڈاکٹر — ملاقات — (باخبر ہو کر) تو ہمارا آخر کا وقت قریب آگیا۔

برٹ مین: نہیں عالی جاہ! حضور کی حالت نازک ہے۔ مگر خطر ناک نہیں۔ ہم صرف احتیاط کے طور پر کچھ کرنا چاہتے ہیں۔

نیپولین: نہیں۔ ہم ان سے ملاقات نہیں کریں گے۔

برٹ مین: عالی جاہ!

نیپولین: (تکمانہ لہجے میں) برٹ مین۔

برٹ مین: بہت اچھا عالی جاہ!

(برٹ مین واپس جاتا ہے)

ہوفتھولون اکیوں کیا خبر لائے؟

برٹ مین: شہنشاہ نے ملاقات سے انکار کر دیا ہے۔

آرنسٹ: ان کی حالت بہت نازک ہے صاحبان! بے حد

خطر ناک ہے لیکن ہم ناامید نہیں ہونا چاہتے کوئی اور

تدبیر سوچنا چاہتے۔

انطو مارشے: میرا خیال ہے کہ شہنشاہ کے معدے میں رسوبی

نہیں ہے۔ صرف ورم ہے۔ مرض کا اصلی مرکز جگر ہے۔

بڑے بڑے صاحبان آپ سے میری درخواست ہے کہ جلد کسی
نتیجہ پر پہنچ کر علاج شروع کر دیا جائے۔ ایک ایک لمحہ اس
وقت بہت قیمتی ہے۔

آئرن ٹیبلٹ: لیکن مصیبت یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت
ہی نہیں دیتے۔ جب مریض اپنے طبیب کو پاس تک نہ پہنچ سکے
تو علاج کیا خاک ہو گا۔

انٹرو مارشلٹ: میری ہدایات پر انہوں نے کبھی عمل نہیں کیا۔
پچھلے صاحبان میری رائے ہے کہ ٹیکٹر ابلانٹ دیا جائے۔ اس
سے ضرور افاقہ ہو گا۔

آئرن ٹیبلٹ: آپ کا خیال صحیح ہے ڈاکٹر پچل۔ دس گرین کیلورمل
ٹھیک رہے گا۔

انٹرو مارشلٹ: لیکن میرا خیال ہے صاحبان کہ پارہ کسی شکل میں
بھی شہنشاہ کے مزاج کے موافق نہیں آئے گا۔

مونتھیولون: لیکن سوال پھر وہی پیدا ہوتا ہے کہ انہیں دراکیسے
پلائی جائے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ مارشالٹ پانی
میں دوا ملا کر انہیں پلا دیں (مارشالٹ سے) عالی جاہ کو بچانے
کے لئے اب یہ آخری میسر ہے۔

(چوتھے روز)

نپولین: مونتھیولون۔ تم ہمارے پیٹھ پر ادھیڑی۔ کلون کے
مالش کرنا چاہتے ہو تمہیں اجازت ہے (خود معنی انداز میں)
ساتھ سے علاج معالجہ کے طریقوں میں کتنی ترقی

پیدا کر دی ہے تم کہتے ہو۔ اس سے گردن کو تقویت
پہنچے گی اور پہنچاؤ تقویت گردن کو مارشالٹ۔

مارشالٹ: عالی جاہ!

نپولین: پینے کے لئے پانی۔

مارشالٹ: (پانی انڈر لیتا ہے) — حاضر ہے! —
عالی جاہ!

نپولین: انٹرو مارشلٹ پانی جاتا ہے۔ دوا کا ڈاکٹر محسوس
کرتا ہے۔ پھر بڑے دردناک لہجے میں کہتا ہے: ارشاد
تم بھی یہیں دھوکہ دے گئے۔

مارشالٹ: (دندانیت بھری آواز میں) معافی چاہتا ہوں
عالی جاہ!

نپولین: سادہ پانی کا ایک گلاس۔

مارشالٹ: (پانی انڈر لیتا ہے) — حاضر ہے! —
عالی جاہ!

نپولین: (دنی کو کتنا اچھا ہے) — کتنا اچھا ہے۔ شاید
یہ ہمارا آخری گلاس ہو۔ مونتھیولون: ہم بس اب چند
دنوں کے مہمان ہیں۔ سینٹ پیتھ کا مہمان بہت جلد
موت کا مہمان ہو گا۔ — تم لوگوں نے اس بلا کو کتنی ہی

ہمارا ساتھ دیا ہے ہم تمہارے ممنون ہیں اور خواہش کرتے
ہیں کہ چاری یاد تمہارے دنوں میں دیر تک قائم رہے۔
— دیکھو کوئی ایسی بات ذکر نہ جس سے ہماری یاد خوش

ہینچے (موتھو لون اور مار شان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں)

نیپولین :- بزدل نہ ہو — بزدل نہ ہو — (پانچویں روز جب سر سینٹ ہلینا میں زبردست طوفان آرہا تھا)

نیپولین :- سینٹ ہلینا میں طوفان آرہا ہے۔ نیپولین چور ایک طوفان تھا جو سارے یورپ پر بھاریا رہا۔ (بڑی کیفیت شدت اختیار کرتی جاتی ہے) یورپ میں شراب پسند حکمرانوں کا تسلط مٹ چکا ہے ایک نیاز مند کروٹ بدل رہا ہے نیپولین کی طاقت کے سامنے سرنگوں ہو جاؤ۔ وہ غلط اٹلی ہے طاقت اور حکومت کا سرچشمہ ہے۔ قندہ ہلہ نیپولین یونا پارٹیا پائندہ ہلہ انقلاب ابزادت صرف تمہاری وجہ سے پورا ایک دن ضائع ہو گیا ہے، بعد ایک دن۔ تمہیں جانتا چاہیے کہ ساری دنیا کی قسمت صرف ایک دن سے وابستہ ہے۔ تیلی رین روس کے ساتھ عہد نامے کا مسودہ تیار کرو کیا کہا۔ اتنی جلد ہی کیا ہے تیلی رین! مجھے صرف ایک روس سے نہیں اور بہت سے ملکوں سے نہیں ہے۔

موتھو لون :- (دبے لہجے میں) مجھے آثار اچھے نظر نہیں آتے مار شان۔

مار شان :- (آہ بھرتا ہے)

نیپولین :- جو ذائقہ — جو ذائقہ — میرے پاس آؤ۔ جب سے تم جدا ہوئی ہو یہی مغموم رہتا ہوں۔ میرے حافظہ

میں تمہارے بوسے اور تمہارے آنسو چمک رہے ہیں صرف تمہاری خاطر میں نے اٹلی پر فتح حاصل کی صرف تمہاری خاطر میں نے دشمنوں کے اکسین جھنڈے چھینے۔ جو فائن — جو فائن تم بے وفا نکلیں، تم نے اپنے عاشق سے وفا کی۔ تمہاری بے وفائیوں نے کئی بار یورپ کے فاتح اعظم کی آنکھیں نمناک کی ہیں۔ آہ! میری ویلیو سکاتم عورت نہیں، فخر ہے تمہاری وفا شعار یوں نے جہنم بہت متاثر کیا ہے۔ خدا کی قسم ہم اس عہد کو عزیز نہ سمجھتے ہیں۔ جو ہمارے جلال سے نہیں بلکہ ہم سے محبت کرتی تھی۔۔۔

(وقف)

نیپولین :- (جوش میں) تمام طاقتیں اکٹھی ہو جائیں — میدان چار سے ہی ہاتھ رہے گا۔ فرانس کا جھنڈا ہمیشہ بلند رہے گا۔ اسٹریا کی فوجوں کو ہم نے شکست دی۔ سیریا اور مصر کا میدان ہماری بہادر فوجوں نے جیتا۔ اٹلی کی فوجوں کو ہم نے پسپا کیا۔ اٹھو — اٹھو — اور اپنے وطن پر قربان ہو جاؤ۔ اپنے وطن کی حفاظت کرو۔ جنت نہ ہارو۔ فرانس کو بچاؤ قسمت و سمت کچھ نہیں محض دھکے مل رہے ہیں۔ صرف موقع دینا ہے حکومت کرتا ہے۔ موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔ دنیا تمہاری ہے سیدھی لکیر ہمیشہ لکیر سے چھوٹی ہوتی ہے۔ نیپولین سیدھی لکیر ہے۔

(طوفان کی شرارت بڑھ جاتی ہے)

موت سہولتوں، مارشان — مرد — مرد — عالی جاہ!
 نیپولین، سپاہیوں آگے بڑھو — فرانس — فرانسیسی فوج —
 سالار جنگ — آہستہ آہستہ نیپولین کی آواز ڈوب جاتی
 ہے طوفان کا شکار ہلکا ہو کر غائب ہو جاتا ہے)

مرنے وقت بھی اس کی زبان پر اپنے پیارے وطن کا نام تھا۔
 اسے فرانس سے محبت تھی۔ اس کے ہر ذرے سے پیار تھا۔
 اس نے فرانس کی مردہ قوم میں زندگی کی روح پھونکی۔ اس کو منظم
 کیا۔ یورپ میں اس کے ہر قدم سے آندھیاں اٹھیں۔ طوفان
 آئے۔ اس کے آفتاب اقبال سے سیاست کی آنکھیں چندھیا گئیں۔
 وہ یورپ میں ایک عرصہ تک دہشت بن کر پھرایا رہا۔
 ۱۸۲۱ء کو نیپولین بونا پارٹ فاتح اعظم چھ بجنے میں اکیس
 منٹ پر اس جہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔

بابر کی موت

اسٹیج پر ہر روز ڈرامے کھیلے جاتے ہیں مگر ان میں سے کتنے فحش
 لحاظ سے مکمل ہوتے ہیں؟ — دراصل خامکاری اسٹیج کا ایک قانون
 ہے۔ اگر کسی ڈرامے کا پہلا ایکٹ شاندار ہے تو اس کے آخری ایکٹ
 پہلے ایکٹ کی شان کے قدموں میں دم توڑتے نظر آئیں گے۔ اگر کسی
 ڈرامے کا انجام اچھا ہے تو آغاز بُرا ہے۔

سلاٹمکس ہے تو سسپنس نہیں ہو گا اگر سسپنس ہے تو کلاٹمکس
 نظر نہیں آئے گا۔ اچھے کردار نظر آئیں گے جو بڑے بڑے
 مراحل آسانی کے ساتھ طے کریں گے۔ مگر چھوٹی چھوٹی مشکلات کا
 مقابلہ کرتے وقت ان کی پیشانی پسینے سے بھر جائے گی۔ — منطق
 اور استدلال تئیر یوں کے مانند آپ کو ان ڈراموں میں اڑتے نظر

آئیں گے۔

ڈرامہ نویسوں میں شاید سب سے زیادہ خاموشی ان ڈراموں میں پائی جاتی ہے جو تاریخ نے لکھے ہیں۔ تاریخ ڈرامے کے تمام عناصر و محاطات پر بہت کم غور کرتی ہے۔ اپنے ڈراموں کے ابواب پر بھی تاریخ فرداً فرداً نہیں سوچتی۔ لیکن اگر اس کے قلم سے کوئی اچھا ڈرامہ نکل جائے، تو صدیوں تک اس کی دھوم مچا رہے گی۔

یہ ڈرامہ جو اب آپ پڑھیں گے تاریخ کا ایک مکمل ڈرامہ ہے۔ منظر ہندوستان کا ہے۔ پلاٹ ہے دنیا کو فتح کرنے کا خیال۔ ہیرو ہے بابر شیر فرغانہ۔ ایک بہت بڑی سلطنت کا مالق۔ مغلیہ خاندان کا سب سے پہلا بادشاہ۔

(زیرِ دستہ اٹھتا ہے)

بابر۔ (دُھڑ لکھواتا ہے) خواجہ کیلان کو لکھو اگر مابہ دولت کی ہدایت پر مکمل نہ کیا گیا، اگر ہمارے احکام کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اگر خزانے کی حالت درست نہ ہوئی، اگر کسانوں کی بد حالی دور نہ ہوئی تو اس کی ساری ذمہ داری اس کے سر ہوگی۔ کابل میں اگر ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پانچ چھ آدمی بیک وقت حکومت کرنا چاہتے ہیں۔

میر منشی: لکھ لیا جہاں پناہ!

بابر۔ اس کو یہ بھی لکھو کہ وہ شہر کو بہتر بنانے کی کوشش کرے۔ قلعہ کی چار دیواری ہی میں محل کی عمارت سا جانی چاہئے۔

جو معمار اس محل کو بنا رہا ہے وہ یہاں آگرے سے ہمارے بھیجے ہوئے آدمی کے ساتھ محل کے نقشوں کی بابت مفصل گفتگو کرے اور اس سے مشورے لے۔ شاہی باغات میں پانی کا انتظام اور اچھے پیمانے پر ہونا چاہئے۔۔۔۔۔ روشوں میں رنگارنگت ہو۔۔۔۔۔ کیاریوں میں پھول ایسے لگائے جائیں جن میں خوشبو ہو۔

میر منشی: لکھ لیا خل اللہی!

بابر۔ (شہنشاہ ہے) آہ کابل۔۔۔۔۔ ہیں اس سرزمین سے کتنا پیار ہے۔ کابل کے سردے۔۔۔۔۔ ان کی مٹھاس۔ ان کا رس۔ میر منشی!

میر منشی: ارشاد عالی جاہ!

بابر۔ خواجہ کیلان ہمارا دوست ہے۔ اس کو کبھی کبھی ہم اپنے دل کی باتیں بھی سنایا کرتے ہیں۔ اس کو لکھو بابر بادشاہ کی روح اپنے وطن کو دیکھنے کے لئے بیتاب ہے یہ ہندوستان کا کام ہم قریب قریب ختم کر چکے ہیں۔ جب پوری طرح ختم ہو جائے گا تو ہم فوراً ہی اپنے پیارے وطن کابل کا رخ کریں گے۔ آہ! ہیں کابل سے کتنی محبت ہے۔ کابل۔ کابل۔

(شہنشاہ پھر اٹھتا ہے)

بابر۔ کابل۔ پچھلے دنوں بھی سردے پیش کئے گئے۔ خدا گواہ ہے یہ سردے دیکھ کر ہمارا آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ طبیعت اور اس ہوگئی۔۔۔۔۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ جب سے ہم نے شراب

پھونڈی ہے ہماری طبیعت اکثر اس رہتی ہے۔ لیکن خدا کی
 مہربانی ہے کہ اس کی طلب دان بدنظم ہوتی چلی جا رہی ہے۔
 خواجہ کیلان سے کہو کہ ہمارے نقش قدم پر چلے۔ شراب چھوڑ دے
 اس حرام شے کو ہاتھ لگا نہ لگا۔ (گھٹنا ہے۔۔۔) لکھ چکے؟
 میرمنشی: ہاں عالی جاہ!

بابر: تو آخر میں اس کو تائید اُلکھ دو کہ وہ ہمارے حرم کی تمام
 عورتوں کو اور ہماری بہنوں کو حفاظت سے یہاں بھجوا دے۔
 — وہ عوام کے حالات سے بہت زیادہ دلچسپی لینا چاہتی
 ہیں جو کہ ہم عورتوں کے لئے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

یہ خط لکھوانے کے فوراً بعد ظہیر الدین بابر بادشاہ کو میدان
 جنگ میں جانا پڑا۔ گنگا کے اس پار کی سلطنت میں جو کچھ ہو رہا تھا،
 اس سے بابر اچھی طرح باخبر تھا۔ دھول پور میں ایک روز سنگم مر کے
 ایک نامکمل محل کا معائنہ کر رہا تھا کہ اچھی آیا۔ اس نے شہنشاہ کو
 خبر دی کہ محمود لودھی نے مشرق کی طرف سے حملہ کر دیا ہے اور تمام
 افغان اس کی مدد کر رہے ہیں۔

بابر نے ایک دم فیصلہ کیا اور اپنے تمام ہمارے ارادے
 بدل کر اس طرف کا رخ کیا۔ جہاں فتنہ کھڑا کیا جا رہا تھا۔ دو
 فوری سوار پندرہ سو انتیس کو وہ اپنی کمزور صحت کے باوجود محمود
 لودھی کے کان ایشیئے کے لئے روانہ ہوا۔ کبھی گھوڑے پر
 کبھی کشتی میں، اس نے پانی اور خشکی کا فاصلہ طے کیا اور اپنے جرنیل

عسکری سے جاملو جو دشمن کے مقابلے میں پیچھے ہٹتا چلا آ رہا تھا۔
 لیکن بابر کی دہشت اتنی تھی کہ وہ الہ آباد تک بھی نہ پہنچا تھا کہ انگریزوں
 کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بنارس سے اٹھ بھاگے۔ محمود لودھی
 بنگالیوں کی پناہ میں چلا گیا۔ بابر کے انتقامی ارادوں اور ان کی تکمیل
 کے درمیان دو دریا بہہ رہے تھے۔ گنگا اور گھاگرا۔
 ظاہر ہے کہ بابر کی فوجوں کے لئے دشمن پر حملہ کرنا بہت مشکل تھا۔
 مگر ایک بار پھر محمود اور جنگیز خان کا لہو بابر کی رگوں میں آتش سیال
 کی طرح دھڑا اور محمود لودھی اپنے بنگالی طرفداروں سمیت بابر کی
 عسکری قوتوں کے سامنے بھگ گیا۔

اس ناممکن فتح کو ممکن بنا کر تھکا ماندہ بابر آگرہ واپس آیا۔
 ۲۲ جون جمعرات کو صبح نو بجے وہ اپنے دارالخلافہ میں داخل ہوا۔
 بارشوں میں پچاس میل روزانہ کی مسافت کر کے۔

خان: جہاں پناہ۔ — روضہ ہشت بہشت کے ناظم اعلیٰ
 حضور کی خدمت میں انگور اور سرسے پیش کرنا چاہتے ہیں۔
 بابر: سرسے۔ — انگور۔ — (دفعاً جو تک کر) تو پھلے
 لے آئیں۔ وہ بلیں جو ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے
 باغ میں اُگائی تھیں۔ کہاں ہیں روضہ ہشت بہشت کا
 ناظم اعلیٰ اس کو ہمارے حضور میں پیش کرو۔

خادم: بہت اچھا عالی جاہ!
 بابر: (خوش ہو کر) — ہندوستان کی زمین کے بطن سے

پہلی بار کابل کے دو بچل پیدا ہوئے ہیں (خود آہی یہ سوچ کر
 کراس نے اچھا اور ذوق منی فقرہ کہا ہے) ہندوستان کی زمین کے
 بطن سے پہلی بار کابل کے دو بچل پیدا ہوئے ہیں۔ شاید
 اور بھی ہوں۔ ہندوستان کی وہ تمام وسعت جو بھی لو بھی
 اپنے دامن میں لئے پھرتا تھا۔ آج بابر کے نقش قدم اس پر
 پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمارے گورنر اور چندیری تک اور دیانے
 جیہوں سے بنگال تک اس کی سلطنت ایک وسیع چاندنی کی
 طرح بکھی ہوئی ہے۔ لیکن ہمارا دل ابھی تک مطمئن نہیں ہوا۔
 برلاس!

میرلا سے: عالی جاہ!

بابر: برلاس۔ تم کہاں کب کے گھر سے ہو؟
 میرلا سے: جب سے عالی جاہ کتاب دل کی ورق گردانی میں مصروف
 ہیں۔

بابر: تم کس نتیجہ پر پہنچے؟

میرلا سے: ہندوستان کے شہنشاہ کا دل اس سلطنت سے
 کہیں زیادہ وسیع ہے۔

بابر: برلاس۔ تم ہمارے اس تعریفی فقرے نے ہماری بات کا
 جواب نہیں دیا۔ تم ہمارے لائق وزیر اور پر خلوص دوست
 ہو۔ ہمیں یہ بتاؤ کہ اتنی فتوحات حاصل کرنے پر بھی
 ہمارے دل کو چین کیوں نصیب نہیں ہوا۔ ہم اس
 کیوں رہتے ہیں؟

میرلا سے: یہ تصور ہمارے دل میں ہر وقت جہاں پناہ کے کانوں میں گونجتا
 گونجتا رہتا ہے تو اس پر ضروری ہے۔

میرلا سے: کاشمیر کا سنہرا خیال۔۔۔۔۔

بابر: برلاس تم نے ہماری کھنٹی رنگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ آہ! میرلا
 ہندوستان! ہر بادشاہ کی انتھک کوششوں کا شاندار
 انعام ہے۔ لیکن ہماری کس قدر خواہش ہے کہ وطن کی اونچی
 اونچی گھاٹیاں ایک بار پھر ہمارے تسلط میں ہوں۔ میرلا
 ہماری حیرانی کا سنہرا خواب ہے۔

خدا دم: جہاں پناہ۔ روضہ بہشت بہشت کے ناظم اعلیٰ
 حاضر ہیں۔

بابر: (خوش ہو کر) مابذلت اس کی آمد سے خوش ہوئے برلاس
 شہنشاہ بابر کی ایک گزوری آج تم کو معلوم ہو جائے گی۔
 کابل کے سردوں پر وہ بری طرح مرتا ہے۔ (بہشتا ہے)

ناظم: غلام کو نشان بجا لاتا ہے جہاں پناہ!

بابر: روضہ بہشت بہشت کا ناظم اعلیٰ مقرر کر کے مابذلت
 نے غلط انتخاب نہیں کیا تھا۔ برلاس۔ کابل کے سردے
 اور انگوڑے کے کی مٹی بھی پا ل سکتی ہے۔ ہمارے منہ میں پانی
 بھر دیا۔ سردے کی ایک قاش منہ کے طور پر ہم ابھی بکھڑا
 پس کر رہے گئے۔ اور انگوڑے کے چند دانے بھی۔

ناظم: ابھی حاضر کرتا ہوں جہاں پناہ!

بابر: برلاس ہم نے کابل پیغام بھجو دیا تھا کہ ہماری ہمشیرہ

خاتون زادہ اور ہماری چیتھی سنگم ماہم کابل سے فوراً یہاں چلی آئیں۔ وہاں سے کوئی اطلاع آتی؟

بیولا سے: ابھی تک کوئی اطلاع نہیں آئی عالی جاہ۔ بارشیں بہت شدید رہی ہیں۔ اس لئے پیغام رسانی میں بڑی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ یوں بھی آگرے سے کابل پہنچنے میں پانچ گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔

بیولا: ہم نے طے یہ کیا تھا کہ جب ماہم کی آمد کی اطلاع ہمیں ملے گی تو ہم آگرے سے ساٹھ میل دور علی گڑھ میں اس کے استقبال کے لئے جائیں گے۔

سناٹیکس جون سن پندرہ سو انٹیس کو موہیلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ منوں پانی برس رہا تھا۔

خادم: وہاں پناہ کابل سے ایلچی آیا ہے۔

بیولا: (چوہکا کر) کابل سے۔ اسے فوراً ہماری خدمت میں حاضر کرو۔

خادم: بہت اچھا جہاں پناہ!

بیولا: ٹھیک رہم فوراً سے ملتے ہیں۔ وہ ضرور ہماری چیتھی بیگم ماہم کی خبر لایا ہے۔

خادم: جی ہاں عالی جاہ۔ وہ حضور کی قدم پرسی کے لئے اتنی بے تاب تھیں کہ علی گڑھ میں حضور کا انتظار کتنے بغیر آگرے

تشریف لے آتی ہیں۔ ان کی سواری یہاں سے صرف چند میل دور ہوگی۔

بیولا: (مضطرب ہو کر) اس کا شوق ملاقات ہمارے شوق دیر سے زیادہ تیز ثابت ہوا۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی پہنچ جائے گی۔ افسوس کہ ہم وعدہ کے مطابق علی گڑھ جا کر اس کا استقبال نہ کر سکے۔ ہماری ننھی عکدہ بھی اس کے ہمراہ ہوگی۔ ننھی گلہ۔ دیکھو ہماری سواری تیار کرو۔ نہیں۔ ہم اتنی دیر نہیں کر سکیں گے۔ اُف۔ ایک زمانہ ہو گیا ہے، ہمیں ماہم کو دیکھنے ہوتے۔ لیکن اب۔ لیکن اب تو صرف چند لمحوں کا سوال۔ ہم پیدل جائیں گے۔ خادم: جہاں پناہ! باہر بارش ہو رہی ہے۔ پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں۔

بیولا: کوئی ہرج نہیں۔ جا رہا غل۔ ہمارا غل حاضر کرو۔ خادم: جہاں پناہ! بارش معمولی نہیں۔ طوفان ہے۔

بیولا: (ہنستا ہے) تمہارا اباد شاہ بڑھا ہوا گیا ہے۔ گھڑ در ہوا۔ ابھی پچھلے دنوں اس نے گنگا ننھی ہاتھوں میں پار کی ہے۔ طوفان؟ ہم نے اپنی زندگی میں کتنی طوفان دیکھے ہیں۔ بارش اور کچھ (ہنستا ہے) ماہم ہمارا راستہ دیکھ رہی ہوگی۔ ہم جاتے ہیں۔

بارش کے طوفان میں بابر کچھڑ سے اٹی ہوئی سڑک پر دوڑتا

چلا گیا۔ — تنہا کہ وہ اپنی محبوبہ کے پاس پہنچ گیا۔ جو گھوڑے پر
سوار اس طوفان میں اپنے مالک سے ملنے آ رہی تھی۔

ماہم۔ (حیرت زدہ ہو کر) — جہاں پناہ — آپ — میری
آنکھیں مجھے دھوکا تو نہیں دے رہیں۔

میاہو۔ اوہ — ماہم — تم سے مل کر میں کتنی خوش ہوئی۔ یہ کیا
کوریج ہو بیٹھی رہو — گھوڑے پر سے اترنے کی تکلیف
نہ کرو۔

ماہم۔ جہاں پناہ! میں ادب کیسے بجالاؤں۔
میاہو۔ خدا کے لئے ایسے موقع پر تکلفات نہ بنو۔ تمہارا بادشاہ
انسان بھی ہے اور — محبت تو ہر تکلف سے بے نیاز
ہوتی ہے۔

ماہم۔ (خوش ہو کر) جہاں پناہ — میں کیسے — میں کیسے —
میاہو۔ چھوڑو ان باتوں کو — یہ بتاؤ — راستے میں تمہیں کوئی تکلیف
تو نہیں ہوئی — سفر کیسے گنا — آہ — ماہم نہیں دیکھنے کے
لئے ہم کتنے بے تاب تھے — خدا کے لئے گھوڑے پر بیٹھی
رہو — باگ میں دیدو — یہ جھجک کیسی؟

ماہم۔ (جھجک کے ساتھ) — جہاں پناہ —
میاہو۔ (خس کر) — اتنی بڑی سلطنت کے خزانے نے تمہارا
دکھ ہے کیا ایک گھوڑے کی باگی نہیں تھام سکتے —
(مایہ مستان ہے) اور پھر اس گھوڑے پر تو ہماری محبوبہ سوار ہے

ماہم۔ جہاں پناہ! میں اس عزت افزائی کا شکر یہ کیسے ادا کروں۔
میاہو۔ باگ ہمارے ہاتھ میں دو — ہم تمہیں بتائیں گے۔

بابر کی صحت دن بدن گرنے لگی — سن پندرہ سو چھتیس میں
پانی پت کی لڑائی کے بعد اس کو زہر دینے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔
یہ زہر اس کو ہلاک نہ کر سکا مگر اس کا اثر بابر کے جسم میں تادم آخر
موجود رہا۔ کہتے ہیں کہ سلطان ابراہیم کی وفات کے بعد اس کی
ماں نے شاہی محل کے بکائون کو زہر پلا سٹوف دیا۔ اور ان سے
کہا کہ بابر کے خاصے پر چڑھ کر دیں۔ یہ خاصے کھانے کے بعد حبسہ کر
جیاں کیا جاتا ہے بابر بہت دیر تک بیمار رہا۔

شیر فرغانہ اب تھا کہ چرچہ ہو گیا۔ وہ قوت جس نے
ہندوستان پر اس کا سک بٹھا دیا تھا اب اس میں نہیں رہی تھی۔
— اب جہاں پانی کا خیال اس کے دل و دماغ میں نہیں رہا تھا۔

میاہو۔ — ماہم۔ —

ماہم۔ جہاں پناہ!

میاہو۔ ماہم — جہاں پناہ نہ کہو — یہ جہاں ہماری پناہ میں
نہیں — ہم خود اس کی پناہ کے طالب ہیں — اب جی چاہتا ہے
کہ ایسی جگہ جا دیں جہاں امن اور پناہ — سکون ہو —
— شہنشاہی دردمر ہے — خدا کی قسم درد مر ہے —
— ہم اب حد و نشیوں کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں — تمام ملکوں

سے آزاد ہو کر ہم کسی ایسے مقام کی تلاش میں ہیں، جہاں ہم اپنے
کاندھوں پر سے شہنشاہیت کا بوجھ اتار کر ایک طرف رکھ دیں
اور آرام کر سکیں (ہمچے میں زیادہ سنجیدگی پینا ہو جاتی ہے)
— ماہم جی چاہتا ہے زرافشاں چلا جاؤں۔ وہاں کے باغوں
میں ایک چھوٹا سا جھونپڑا بنوا لوں — اب یہ محل کاٹنے کو
دوڑتا ہے۔ جہاں قدم قدم پر کورنش بجالاتی جاتی ہے —
جہاں ہزاروں خدام کا ہنگھٹا لگا رہتا ہے — زرافشاں کے
باغ ہوں۔ ایک چھوٹا سا جھونپڑا ہو اور صرف ایک خدام ہو۔
صاحب! جہاں پناہ کو اگر کبھی کچھ کرنا تھا تو مجھے یہاں بلوانے
کی کیا ضرورت تھی؟

بابر:۔۔۔۔۔ آہ اتم نہیں سمجھ سکتیں — ماہم تم محودت ہو
— تمہاری محبت بابر سے ہے۔ لیکن بابر بادشاہ سے
زیادہ ہے — یہ محودت کی کمزوری ہے — بابر بادشاہ
کو اپنی عظمت اور اپنے جلال کا امتیاز نہیں ہو گا۔ جتنا تمہیں
گلبدن یہ تم روکیوں رو رہی ہو۔

گلبدن:۔ میں — میں — میں جھونپڑے میں نہیں رہوں گی۔
بابر:۔ (ہنستا ہے) گلو — تو جھونپڑے میں نہیں رہے گی؟
— اچھا بتا کہاں رہے گی؟

گلبدن:۔ (سیکیوں کے ساتھ) — اس محل میں — اس محل میں
جہاں پناہ!

بابر:۔ یہ محل مجھے پسند آ گیا؟
گلبدن:۔ (سیکیوں کے ساتھ) ہاں
بابر:۔ (ہنستا ہے) اچھا تو ہم نے صرف تیرے لئے اپنا ارادہ
نہیں کر دیا۔ لے اب کمرہ ہے۔

بابر:۔ حقیقت سلطنت کے کام سے دست بردار ہو جانا
چاہتا تھا۔ مگر وہ بہت ہوشیار، دقیقہ رس اور سمجھا سچا ہے۔ وہ
اس وقت تک سخت چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ جب تک کہ
اس کا بدل نہ مل جائے۔

بابر کی جگہ کون لے سکتا تھا — اس کا بیٹا ہمایوں بے شک
بہادر تھا اور بابر کو اس سے محبت بھی تھی۔ مگر وہ بے پرواہ اور
غیر ذمہ دار تھا۔ مطلوبہ طبیعت کے باعث بھی وہ اتنی بڑی سلطنت
کا انتظام کرنے کا اہل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس نے تازہ تازہ
سمرقند کے معاملے میں اپنے آپ کو ناکارہ ثابت کیا تھا۔ بابر کا
حکم یہ تھا کہ وہ فوراً بدخشاں جائے امداد کیوں کی سرکوبی کرے؟
جو دن بدن طاقت پکڑ رہے تھے۔

ہمایوں نے اس حکم کے مطابق سمرقند پر چڑھائی کی۔ اور
مصرار پر قبضہ بھی کر لیا۔ مگر جب اس کو اپنی ماں کا یہ پیغام ملا کہ
بابر ہندوستان کا تخت اپنے دادا محمد ہمدانی کو دینے والا
ہے۔ تو وہ جھٹ پٹ بدخشاں سے کابل پہنچا اور اپنے چھوٹے
بھائی ہندو مال کو جس کی عمر صرف دس سال تھی۔ اس بات پر آمادہ

کر دیا کہ وہ اس کی جگہ چلا جائے۔ جلد ہی جلدی یہ کام کرنے کے بعد ہمایوں اپنے باپ کی اجازت لئے بغیر آگرے چلا آیا۔ باپ کو جب اس نامعقول حرکت کا علم ہوا تو اسے بہت تلخ آہ چنانچہ مرزا کے قہر پر اس نے ہمایوں کو آگرے سے سواہل دور سہلی میں نظر بند کر دیا۔

مرزا نے اپنے پیشے کو معاف کرانے کی بہت کوشش کی۔ مگر شہنشاہ بابر کے نزدیک ہمایوں کا وہاں سے چلے آنا بہت بڑی نغلی تھی۔ کیونکہ کابل اس کی غیر موجودگی میں حکمران کے بغیر رہ گیا تھا۔ بابر کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ ہمایوں کی غیر موجودگی میں سعید خاں نامی ایک منگول سردار نے بدشاہی میں مبتلا کرنے کی چھان بین کی۔ مگر بابر کی ورثیت ایک بار پھر کام آئی۔ جب سعید خاں کو معلوم ہوا کہ شیر فرخانہ خود اس کی سرکوبی کے لئے آ رہا ہے تو وہ خود پناہ طلب ہوا۔

اس سلسلے میں بابر چار مارچ سن پندرہ سو تیس تک لاہور میں رہا۔ یہاں سے جب وہ دہلی میں دو مہینے شکار کھیلنے کے لئے آیا۔ تو اس کی صحت اور زیادہ خراب ہو گئی۔ چنانچہ وہ واپس آگرے سے چلا آیا۔

ماہم۔ جہاں پناہ آپ کو معلوم ہے میرا نصیر الدین چھ مہینے سے سہلی میں نظر بند ہے اور۔۔۔۔۔

بابر۔ اس نے جو حالت کی تھی۔۔۔۔۔

ماہم۔ جہاں پناہ وہ سخت بیمار ہے۔ نظر بندی کی حالت میں اس کی بیماری دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اور۔ اور۔

اب میں جہاں پناہ سے کیا عرض کروں۔ میں اس کی نگاہوں سے بابر۔ اور ہم اس کے باپ ہیں۔

ماہم۔ میرا دل کا ایک طرف ہمایوں ہے۔ آپ کی اور بھی دلالت ہے۔ اور پھر جہاں پناہ کی اتنی بڑی رعایا ہے۔ وہ دیکھو مجھے جو سکتا ہے۔ ہندوستان کے بادشاہ کو نہیں ہو سکتا۔

بابر۔ مگر ہندوستان کا بادشاہ کم ہے۔ ہمایوں کا باپ زیادہ ہے۔ تمہاری مامتا کا مقابلہ ہم اپنی شفقت سے نہیں کرنا چاہتے۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ ہمارے سخت گیری میں ہمایوں کا مستقبل پوشیدہ ہے۔ ہم اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ وہ غایت درجہ بے پرواہ اور غیر ذمہ دار ہے۔ ایسی طبیعت کے کہ وہ ہندوستان کا تخت نہیں سنبھال سکتا۔ اس کو بھلائی سے سنبھالنا چاہئے۔

ماہم۔ جہاں پناہ۔ چھ مہینے سے وہ نظر بندی کی ذلت برداشت کر رہا ہے۔ اتنی سزا کیا اس کے لئے کافی نہیں۔ وہ یقیناً تادم ہوگا۔ جہاں پناہ۔ میں التجا کرتی ہوں کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ وہ بیمار ہے۔ خطرناک، المور پھیل رہا ہے۔ خدا اس کو صحت دے۔

ماہم۔ تو اسے آگرے سے بلوا لیجئے۔ کنیز سے جہاں پناہ کو جو محبت ہے، اس میں ہمایوں سے اپنی شفقت کو بھی شامل فرما لیجئے۔

جوان سال شہزادہ ہمایوں کو آگے سے ایک پانگی میں لایا گیا۔
کیونکہ وہ سخت بیمار تھا۔ بہت علاج معالجہ ہوا۔ مگر کوئی افاقہ
نہ ہوا۔ آخر ایک روز۔ بابر اس کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں اس
کی چہتی بیگم ماہم کا روضہ کا بستر علامتہ ایسہ پر تھا۔

بابر: ہمایوں۔ ہمایوں بیٹا۔

(ہمایوں بستر پر خاموش پڑا رہتا ہے)

بابر: تمہاری ماں نے مجھے دیا تھا کہ میں اپنی ذات کے سوا اور
کسی سے۔ محبت نہیں کرتا۔ اپنی ذات کے سوا شہنشاہ
بابر کو اور۔ کوئی عزیز نہیں۔ نوسنوا۔ میری دعا سنوا
(کہ از میں دعا کیے کیصیت پیدا ہو جاتی ہے) اے خدا
میں صدق دل سے دعا کرتا ہوں کہ میرے بیٹے ہمایوں کی
بیماری مجھے لگ جائے اور وہ تندرست ہو جائے اور اس
کے بدلے میں علیل ہو جاؤں۔ اے خدا میری دعا قبول کر
اور میری چہتی بیگم کے تختہ کو ہر وقت ہر آفت سے
محفوظ رکھو۔

خدا نے بابر کی دعا قبول کی۔ ہمایوں صحت یاب ہو گیا۔ اور
اس کی جگہ بابر نے خطرناک طور پر بیمار ہو گیا۔

بابر بستر مرگ پر پڑا تھا۔ اس کی ہڈیاں ان تمام جنگوں کے بوجھ
کے نیچے کھڑکی پر ہی تھیں۔ جو وہ اپنی زندگی میں لڑ چکا تھا۔ آنکھوں

میں غنودگی تھی۔ دفعہ لالہ شہی چادر میں سرسراہٹ پیدا ہوئی خوشنشاہ
نے اور کھڑکی تھی۔ آنکھیں نیم وا ہوئیں۔ بستر کے پاس کسی کو کھڑا دیکھ کر
بابر کے ہونٹ کھلے۔

بابر: (گھڑور آواز میں)۔ تم یہاں کب سے کھڑے ہو؟
ہمایوں: جب سے جہاں پناہ نے میری حاضری کا حکم دیا تھا۔
ایک گھنٹے سے۔۔۔۔۔

بابر: ہمیں یاد نہیں کہ ہم نے تمہیں بلایا تھا۔

ہمایوں: جہاں پناہ کیا جگہ سے ڈر گئے تھے۔

(چند لمحات کے لئے بابر بالکل خاموش رہتا ہے)

پھر ایک لمبا سانس لیتا ہے)

بابر: اگر خدا نے میرے بعد تمہیں تخت بخشا تو اپنے بھائیوں کو
ہلاک نہ کرنا۔ ان کی نگہداری کرتا۔ بس اب جاؤ ہمایوں۔
جاؤ میرے بیٹے جاؤ۔

چھبیس دسمبر سن پندرہ سو تیس کو شہنشاہ بابر اپنا آخری ابلا
کرتا ہے اور ہمایوں کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جاتا ہے۔
شیر فرغانہ بستر پر آخری کروٹ بدلتا ہے اور کھڑکی میں سے
آگے کی طرف دیکھتا ہے۔ مد نظر تک بابر کو اپنے لگائے
جو تھے اعانت کی چراول دکھائی دیتی ہے۔ ان درختوں کے عقب
میں مسجد کا مینار آسمان کی طرف سر اٹھائے نظر آتا ہے۔

جوان سال شہزادہ ہمایوں کو آگے سے ایک پانگی میں لایا گیا۔
کیونکہ وہ سخت بیمار تھا۔ بہت علاج معالجہ ہوا۔ مگر کوئی افاقہ
نہ ہوا۔ آخر ایک روز۔ بابر اس کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں اس
کی چہتی بیگم ماہم کا روضہ کا بستر علامتہ ایسہ پر تھا۔

بابر: ہمایوں۔ ہمایوں بیٹا۔

(ہمایوں بستر پر خاموش پڑا رہتا ہے)

بابر: تمہاری ماں نے مجھے دیا تھا کہ میں اپنی ذات کے سوا اور
کسی سے۔ محبت نہیں کرتا۔ اپنی ذات کے سوا شہنشاہ
بابر کو اور۔ کوئی عزیز نہیں۔ نوسنوا۔ میری دعا سنوا
(کہ از میں دعا کیے کیصیت پیدا ہو جاتی ہے) اے خدا
میں صدق دل سے دعا کرتا ہوں کہ میرے بیٹے ہمایوں کی
بیماری مجھے لگ جائے اور وہ تندرست ہو جائے اور اس
کے بدلے میں علیل ہو جاؤں۔ اے خدا میری دعا قبول کر
اور میری چہتی بیگم کے تختہ کو ہر وقت ہر آفت سے
محفوظ رکھو۔

خدا نے بابر کی دعا قبول کی۔ ہمایوں صحت یاب ہو گیا۔ اور
اس کی جگہ بابر نے خطرناک طور پر بیمار ہو گیا۔

بابر بستر مرگ پر پڑا تھا۔ اس کی ہڈیاں ان تمام جنگوں کے بوجھ
کے نیچے کھڑکی پر ہی تھیں۔ جو وہ اپنی زندگی میں لڑ چکا تھا۔ آنکھوں

میں غنودگی تھی۔ دفعہ لالہ شہی چادر میں سرسراہٹ پیدا ہوئی خوشنشاہ
نے اور کھڑکی تھی۔ آنکھیں نیم وا ہوئیں۔ بستر کے پاس کسی کو کھڑا دیکھ کر
بابر کے ہونٹ کھلے۔

بابر: (گمزدہ آواز میں)۔ تم یہاں کب سے کھڑے ہو؟
ہمایوں: جب سے جہاں پناہ نے میری حاضری کا حکم دیا تھا۔
ایک گھنٹے سے۔۔۔۔۔

بابر: ہمیں یاد نہیں کہ ہم نے تمہیں بلایا تھا۔

ہمایوں: جہاں پناہ کیا جگہ سے ڈر گئے تھے۔

(چند لمحات کے لئے بابر بالکل خاموش رہتا ہے)

پھر ایک لمبا سانس لیتا ہے)

بابر: اگر خدا نے میرے بعد تمہیں تخت بخشا تو اپنے بھائیوں کو
ہلاک نہ کرنا۔ ان کی نگہداری کرتا۔ بس اب جاؤ ہمایوں۔
جاؤ میرے بیٹے جاؤ۔

چھبیس دسمبر سن پندرہ سو تیس کو شہنشاہ بابر اپنا آخری ابلاس
کرتا ہے اور ہمایوں کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جاتا ہے۔
شیر فرغانہ بستر پر آخری کروٹ بدلتا ہے اور کھڑکی میں سے
آگے کی طرف دیکھتا ہے۔ مد نظر تک بابر کو اپنے لگائے
جو تھے اعانت کی چراول دیکھائی دیتی ہے۔ ان درختوں کے عقب
میں مسجد کا مینار آسمان کی طرف سر اٹھائے نظر آتا ہے۔

اس کی روح نے کچھ بار بغاوت کی مگر اورنگ زیب کے آہنی ارادے کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ چلی۔

شاہ جہاں بوڑھا تھا۔ نحیف تھا۔ عمر کے آخری برسوں پر اپنے بیٹے کے اعمال کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا۔ اسی کے سبب امرا اور اکابر ظفر مند بیٹے سے جا ملے تھے۔ اب سوائے حرم کی عورتوں اور چند خواجہ سراؤں کے جو اس کی خدمت کے لئے اورنگ زیب نے مقرر کر رکھے تھے۔ شاہ جہاں کا نہ کوئی صلاح کار تھا نہ مشیر، ہندوستان کی تمام وسعت اپنی جیب میں ڈال کر اورنگ زیب نے اس کو قلعے کے چند گھروں میں قید کر دیا تھا۔

پاروں طرف فتح مند اورنگ زیب کی فوج نے گھیر ڈال رکھا تھا۔ دن رات جاسوسوں کے ذریعہ سے اس کی نگرانی کی جاتی تھی۔ سہت کٹر احتساب کیا جا رہا تھا کہ شاہ جہاں قلعے سے باہر کسی سے نہ خط و کتابت نہ کر سکے۔

شاہ جہاں: (دغصے کی حالت میں) مجھے بتاؤ، وہ فانا می خواجہ سرا کا کیا ہوا؟

اورنگ زیب: اس کا وہی حشر ہوا جو باغیوں کا ہوتا ہے۔
شاہ جہاں: اس نے کیا بغاوت کی تھی۔ جو تم نے اسے اتنی کڑی سزا دی ہے۔

اورنگ زیب: آپ نے اس کے ذریعے سے ایک خط باہر بھیجنا چاہا تھا۔

شاہ جہاں: تو اس میں اس کا کون سا جرم تھا۔ محی الدین تم مجھے اٹھائیوں ستارے ہو۔ کیا اس قلعے کی چار دیواری میں قید کر کے بھی مطمئن نہیں ہوتے۔ تم نے اب میری تحریر پر بھی پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ میرے پیادہ صبر میں کیا تمہیں کچھ گنجائش نظر آگئی تھی۔

اورنگ زیب: میں آپ کو بار بار لکھ چکا تھا کہ بیرونی دنیا سے خط و کتابت کرنا قطعی طور پر ترک کر دیں۔

شاہ جہاں: یہ تمہارے احکام تھے۔

اورنگ زیب: جو آپ نے رو کر دیئے۔

شاہ جہاں: بیٹا باپ پر حکومت چلائے۔ محی الدین، میں اب تم سے کیا کہوں۔ تم اس وقت ہندوستان کے ظفر مند بادشاہ ہو۔ شاہ جہاں کے فرزند نہیں ہو۔

اورنگ زیب: محی الدین اورنگ زیب ظفر مند بادشاہ بعد میں ہے پہلے وہ آپ کا بیٹا ہے

شاہ جہاں: تو باپ تم سے پوچھتا ہے کہ اس کی خط و کتابت پر نگرانی کیوں کی گئی۔ کیا اس قسم کی ذلت تمہارا باپ برداشت کر سکتا ہے؟

اورنگ زیب: چونکہ اس قسم کی خط و کتابت سے ملک میں بد امنی اور بغاوت پھیلنے کا اندیشہ ہے اس لئے یہ احتساب ضروری سمجھا گیا۔

شاہ جہاں: میں تمہارے اس احتساب کی کوئی پروا نہیں کرتا

— میں جس سے چاہوں گا خط و کتابت کروں گا۔

اور نگے فریب سے۔ تو جس کے ہاتھ آپ خطرہ نہ کریں گے اس کا رہی
خوش ہو گا جو وفا نامی خواجہ سر اکا ہو۔ میں تمام خواجہ سر اکا کے
نام ایک تنبیہ جاری کر چکا ہوں۔ اگر انہوں نے وفا کی طرح
کوئی حرکت کی تو انہیں وہی سزا بھگتنی پڑے گی، جو اس کو مل
چکی ہے۔

شاہ جہاں بہ حمی الدین دجاؤ، میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔
ایسا نہ ہو کہ میرے منہ سے کوئی بد دعا نکل جائے۔ جاؤ یہاں سے
چلے جاؤ۔

اور نگے فریب سے۔ جو کچھ میں کر رہا ہوں، آپ کی اور ملک کی بہتری کے لئے
کر رہا ہوں۔ بطور حفظ مآقدمات اب آپ کو نوشت و نماند کا
سامان نہیں دیا جائے گا۔ اگر آپ کو خط لکھو انا ہوں تو ایک خواجہ
سر امین نے اس کام کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ آپ خط کا مضمون
بول دیا کریں وہ لکھ دیا کرے گا۔

شاہ جہاں بہ تمہاری بہت مہربانی۔ جاؤ، اب یہاں سے چلے جاؤ۔

۸ جون ۱۶۵۸ء کو جب شاہ جہاں قلعہ آگرہ میں محصور کیا گیا۔
تو اورنگ زیب نے فوراً ہی شاہی محلوں سے ان کمروں کو جس میں جواہرات
اور قیمتی سامان تھے متفصل کر کے ان پر ہر میں لگا دی تھیں۔
اورنگ زیب کا ایک خاص خواجہ سر امین نامی ان کی نگرانی پر
متبعین تھا۔ چونکہ شاہ جہاں اب حرم کی چار دیواری میں اقامت پندیر

ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کمروں تک اس کی رسائی آسانی کے ساتھ ہوتی تھی۔
یہی وجہ ہے کہ اورنگ زیب نے یہ احکام جاری کر رکھے تھے کہ خزانوں
کو کھولتے وقت جواہرات کی حفاظت اور احتیاط میں کوئی درتقص
نہ کرنا۔

خبردارہ محمد سلطان سے چلے جانے پر معتد خواجہ سر امین کو راجہ
نثار بن گیا تھا۔ وہ شاہ جہاں سے اس قسم کی سخت گیری روار کھاتا تھا
جو سینٹ پینٹین میں پولیس کے ساتھ ہڈ سن لوٹے روار کھاتی تھی۔

شاہ جہاں بہ جہاں آؤ، بیٹا۔ ذرا دھر آؤ۔
جہاں آؤ، آئی ظلی الہی۔

شاہ جہاں بہ بیٹا ہم نے معتد خواجہ سر اکا کو کہا بھیجا تھا کہ وہ ہمارے
پاپوش منگوئے سے۔ خادم ابھی ابھی یہ لایا ہے۔ کھول کر نہ دیکھو
کیسی پاپوش ہے؟

جہاں آؤ، دیکھو کہ کھیتی ہے، ظلی الہی یہ پاپوش آپ نے کس
کے لئے منگوائی ہے۔ اپنے لئے یا کسی خادم کے لئے۔

شاہ جہاں بہ کیوں کیا ہوا؟ ارے سچ ہے۔ نابکار نے یہ کیسی مضمون
سی پاپوش بھیج دی۔

جہاں آؤ، فضول؟۔ ظلی الہی۔ یہ تو بالکل نکمی پاپوش ہے۔ چلو انہ
دیکھو کتنا ہیات ہے۔ ایسی پاپوش تو دتی کے بھر بونچے بھی
نہیں پہنتے ہوں گے۔

شاہ جہاں بہ ہمیں نہ دکھاؤ جہاں آؤ، سی طرح پیٹ کر رکھ دو۔

یہ سب اس حرام خود معتد کی شرارت ہے جو محمد سلطان کے چلے جانے پر اس قلعے کا مالک بن بیٹھا ہے۔ ہم سمجھ گئے۔ وہ نابکار ایسی خلیل حرکتوں سے میں چیخ کر غرض ہونا چاہتا ہے۔

جہاں آراء اللہ کرے خود ہے اس دنیا کے تختے پر۔

شاہ جہاں د بیٹا۔ کسی کو بددعا نہ دو۔ معتد گم ظرف ہے۔ اگر اس کا ظرف بلند ہوتا تو ہمارے ساتھ اس قسم کی چیخ چھاڑ ہرگز نہ کرتا۔ اللہ اکبر۔ یہیں یہ دن بھی دیکھنا تھا۔

جہاں آراء (آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور آواز بھرا جاتی ہے) ظلم الہی دل سے صرف ایک چوک اٹھتی ہے اور اس چوک کے ساتھ جاسے کو کتنی خاموشی اور منظم بددعاؤں کی لپٹ کہ باہر نکل جاتی ہیں۔ میں سب کچھ جانتی ہوں۔ سب کچھ سمجھتی ہوں بزرگیاہوں۔ کاش میں آپ کے لئے کچھ کر سکتی۔

شاہ جہاں آراء۔ جہاں آراء۔ تم نے ہمارے لئے وہ سب کچھ کیا ہے جو شاید ہی کوئی پہنچی اپنے باپ کے لئے کر سکے۔ تم نے اپنا آرام اپنا پیار سب کچھ ہم پر قربان کر دیا۔ تم نے اپنے ضعیف باپ کی خدمت اس محبت کے ساتھ کی ہے کہ ہم اپنا دل دیر بھول چکے ہیں۔

جہاں آراء ظلم الہی۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ محنت ذات کر کیا سکتی ہے۔

شاہ جہاں د۔ میں ظلم الہی نہ کہہ بیٹا۔ ہم خدا کا سایہ نہیں رہتے ہیں تو اب اس سائے کی تلاش ہے۔ اور جہاں آراء بیٹا، تم اس قدر ہی سے ہماری خدمت بجا لاتی ہو کہ اب آلام و آلام نہیں معلوم ہوتے۔

غیر و بند کے ان ایام میں ہمیں پہلی مرتبہ اس امر کا احساس ہوا ہے کہ تم کتنی نیک سیرت اور مت گذار اور خود صلہ مند خالق ہو۔ میں فخر ہے کہ ہم تمہارے باپ ہیں۔ روز نہیں بیٹا تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ پڑے کہ میں بددعا کی ازیت ہوتی ہے۔ اب آنسو پڑ چھڑا لو۔ اور سید محمد فتوحی کو چار سے پاس بھیجا دو کہ وہ ہندوستان کے ناکامراں بادشاہ کے دل کو خود ہمارے دینے کے لئے اخلاقی حکایت اور مذہبی روایات سنائے۔ قسم ہے وحدہ لا شریک کی، اس فرشتہ سیرت بزرگ نے ہمارے مذہبی شغف کو بہت بڑھا دیا ہے۔ قرآن کریم کا تلاوت اور حدیث کے درس ہیں روحانی تسلی بخشتے ہیں۔

تاریخی مطالعہ اور مذہبی شغف کے علاوہ شاہ جہاں اپنی چھوٹی لڑکی سے جو حضرت میاں میر جیسے ولی کی مرید تھی بہت محبت کرتا تھا۔ جہاں آراء اپنے ضعیف باپ کی خدمت بڑی نڈر جی سے کرتی تھی۔ شاہ جہاں کی ازلی عمر میں جہاں آراء کا وجود اس کے لئے یقیناً عرصہ کے بڑی تھا بلکہ وہ دوسری اولاد کے مطلع خیر لوں کا ازالہ بھی کر چکی تھی۔ شاہ جہاں اپنی مصیبتوں کے سامنے سر تسلیم خم کر چکا تھا اور لگ زب نے پہلے داسا شکوہ، پھر مراد بخش اور پھر سلیمان کو قتل کیا تھا۔ اور عداوت کے باعث بوڑھے باپ کا دل بالکل ٹوٹ چکا تھا اب وہ ایک شکستہ حال انسان کی طرح صبر و شکر کر کے اپنے ایام طوع و کرہ پورے کر رہا تھا۔

قید و بند کے اس زمانے میں شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے درمیان
خط و کتابت کا سلسلہ کچھ دیر جاری رہا۔

شاہ جہاں یہ بولو آگئے کیا لکھا ہے۔

جہاں آراء لکھتے ہیں "آپ مجھے غاصب اور جاہل کہتے ہیں۔ میرے
دو یہ کہ تعلیم سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسروں کی ملکیت پر قبضہ
کرنے والے کو اسلام کا مخالف بتاتے ہیں۔ لیکن آپ کو یاد رکھنا
چاہیے کہ سلطنت کے خزانے اور ملک و دولت عامۃ الناس
کے فائدے کے لئے ہے۔ عیش و عشرت کے لئے نہیں ہے۔
بادشاہیت موقوفہ املاک نہیں ہوتی کہ آپ کے بعد بیٹا ہی اس کا
وارث ہو۔ یہ تو خدا کی ایک امت ہے جو میں ہوتا ہے۔ اسے ہی
ملتی ہے یہ مال و دولت۔۔۔۔۔

شاہ جہاں: ہنگوڑ۔ ہند گردا ہے۔۔۔۔۔

جہاں آراء ابھی ختم نہیں ہوا۔

شاہ جہاں: ہم جانتے ہیں۔ اس کی یہ تقریر کبھی ختم نہیں ہوگی۔ لیکن
اس کو شاید یہ معلوم نہیں کہ جو سلوک اس نے چارے ساتھ
کیا ہے۔ وہی سلوک اس کی اپنی اولاد اس کے ساتھ رہا رکھے گی۔
۔۔۔ یہ ہم اسے خط میں بھی لکھوا چکے ہیں۔

جہاں آراء: اور اس کا جواب اس خط میں موجود ہے۔

شاہ جہاں: کیا لکھا ہے؟

جہاں آراء: لکھتے ہیں "جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔

میں جو کچھ کر رہا ہوں ہوں وہی میرے اگلوں نے بھی کیا تھا۔ پھر
تعب کی بات کیا ہے۔ اگر خدا کی مرضی اسی میں ہے تو میرے بیٹے
محمد سے ایسا ہی سلوک کریں گے۔ میں خدا کی مرضی اور اس کے
حکم سے سر مو تفریق نہیں کروں گا۔ لیکن میری نیت جو کہ اچھی
ہے اور خدا کی ہر باقی ہمیشہ نیک نیتوں کے ساتھ ہوتی ہے۔
اس لئے مجھے توقع رکھنی چاہئے کہ میری اولاد میرے ساتھ اچھا
ہی سلوک کرے گی۔۔۔

شاہ جہاں: خدا کی مرضی۔۔۔ خدا کی مرضی ضرور
ایسی ہی ہوگی۔ وہ دن ضرور آئے گا۔ جب محمد بن اپنے بیٹے کو
بائی اور بے وفا کہے گا تو وہ پلٹ کر یہ جواب دے گا۔ "بولو۔ تم نے
اپنے باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟" کیا تم باغی نہیں
ہو گئے تھے۔ کیا تم نے اپنے باپ سے دغا نہیں کیا تھا؟
جہاں آراء: خط کا محور اسامہ باقی رہ گیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔
شاہ جہاں: سنار۔

جہاں آراء: لکھتے ہیں "آپ مجھے کیوں بُرا کہتے ہیں۔ کیا آپ اپنے
بھائیوں خسرو اور پرویز کو بھول گئے۔ انہوں نے آپ کو
کوئی گزند نہیں پہنچایا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کے
ساتھ بُرا سلوک کیا۔"

شاہ جہاں: اورنگ زیب کے درمیان یہ تلخ خط و کتابت ایک
عرصے تک جاری رہی۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے باپ کو غور

لکھنا ترک کر دیا۔ کبھی کبھی ہندوؤں سے کچھ لکھو اگر بھیج دیا کرتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ سلسلہ بھی بند ہو گیا۔

شاہ جہاں اورنگ زیب سے نہ تو تلوار کی جنگ میں عہدہ برسرِ آہوئے نہ قلمی جنگ میں، کچھ عرصے کے بعد وہ قدرت کے فیصلے کے آگے ٹھک گیا۔ اب وہ قسمت کا گلہ نہیں کرتا تھا۔

۱۶۵۷ء کا فکرمیں نے موت کو حسین بنادیا تھا اور جس نے اپنی آنکھوں سے نکلے ہوئے آنسو کو زمانے کے کال پور اپنی تمام تابانیوں سمیت ابدیت میں منجمد کر دیا تھا۔ اب اپنی حسرت ناک موت کا منتظر تھا۔

مصائب و آلام کی اس زندگی سے نجات حاصل کرنے کی خواہش شاہ جہاں کے دل میں ہر وقت ٹھہرتی رہتی تھی۔ بالآخر جنوری ۱۶۵۷ء میں پوری ہو گئی۔ سات جنوری کا دن تھا۔ شاہ جہاں نے ایک خاص تیل کی مالش اپنے جسم پر کرائی تھی۔ اس سے فائدے کی بجائے نقصان ہوا۔

شاہ جہاں ۱۔ (نقاہت بھری آواز میں) — اس تیل کی مالش نے مجھے مطلق فائدہ نہیں پہنچایا۔ بلکہ اس سے نقصان ہی ہوا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں جان ہی نہیں رہی۔

سید محمد قنوجی ۲۔ خدا کا فضل شامل حال رہا تو آپ منقریب صحت مند ہو جائیں گے۔

شاہ جہاں ۱۔ سید صاحب۔ اب صحت اوروں کی آرزو نہیں ہے اب تو جی چاہتا ہے کہ جلد از جلد اس زندگی کا خاتمہ ہو۔

سید محمد قنوجی ۱۔ زندگی خداوند تعالیٰ نے زندہ رہنے کے لئے عطا فرمائی ہے۔ غرض شاہ جہاں اس کا ہر لمحہ صبر اور شکر سے گزارنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ کہہ سکتے تو ہر شخص کی زندگی میں ہوتے ہیں عالی ماہ ۱

شاہ جہاں ۲۔ آپ درست فرماتے ہیں سید صاحب۔ مگر واقعہ یہی ہے کہ ہم اب اس دنیا کے افکار سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ موت تو مقررہ وقت پر ہی آئے گی۔ لیکن اس کو قریب تر دیکھنے کی آرزو ہر دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر سید محمد قنوجی ۱۔ عالی ماہ ۱ افکار و آلام سے آزادی حاصل کرنے کا حل موت نہیں پیش کرتی۔ موت کے بعد بھی ان کا مجموعہ انسان کو ستا سکتا ہے۔ دعا کیجئے کہ آپ کی دوسری زندگی ہر قسم کے تہور سے پاک ہو۔

شاہ جہاں ۲۔ سید صاحب، ہم ہر وقت بارگاہِ انبوی میں یہی دعا مانگتے رہتے ہیں۔ اس زندگی سے ہم مطمئن ہیں زندگی کے بہتر برس پور سے ہو چکے ہیں۔ اس دور ان میں ہم نے فتح و ظفر و کھنجر ہے۔ ناکامی اور نامرادی سے بھی سابقہ بڑھا ہے۔ شجاعت پر شہید ہے۔ پہلے کئی جنگوں کی خاک چھانی ہے۔ مجھے مجھے سفر کئے ہیں۔ مشقتیں برداشت کی ہیں۔ غرضیاں دیکھی ہیں اور اب آخری عمر میں یہ وفائی کے چر کے بھی سہے ہیں۔ غرض کہ زندگی میں جو ہوتا ہے ہم سب کچھ چکے ہیں۔ خدا اب ہم راضی برضا ہیں۔ (ایک خادم اندر داخل ہوتا ہے)

خادم۔ قل اللہی۔ وید بندو ابھی صاحب تشریف لائے ہیں۔
شاہ جہاں۔ انہیں حاضر کرو۔
خادم۔ بہت اچھا ظن! اللہی!

(چلا جاتا ہے)

شاہ جہاں۔ ہم نے اس وید کی بہت تعریف سنی ہے۔ ہم سے
کہا گیا ہے کہ امراض شکم کے علاج میں جہارت رکھنا ہے۔
سید صاحب مدد سے کی خرابی نے ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے۔

عارضہ کے نو بیرون وید بندو ابھی نے شاہ جہاں کے مرض شکم کو
بالکل دور کر دیا جس سے اس کو قدرے سکون ملا مگر ضعف اور نقابہ
وہیسی کی وہیسی قائم رہی۔

سردی شدت کی تھی۔ شربت پیتے پیتے شاہ جہاں کے ہوشوں
پر پیشہ ہواں جم گئی تھیں۔ ضعف و ناتوانی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔
مرض شکم دور ہو گیا تھا۔ لیکن دوسرے عارضے دن بدن بڑھ رہے
تھے۔ اب ایسا وقت آ گیا تھا کہ ویرائیں اور نقابہ بالکل بے اثر تھیں۔
۲۲ جنوری ۱۶۶۱ء کی رات کے ابتدائی حصے میں زندگی
کی آس باقی نہ رہی۔ دم بہ لب شاہ جہاں نے اپنے ہوش بھر اس
مجمع کر کے اپنی بیویوں کو جو اس وقت زندہ تھیں اپنے پاس بلا لیا تھا۔
اکبر آبادی محل اور فتح پوری محل بھی ان میں شامل تھیں۔

شاہ جہاں۔ (مردوں کو کشتی دیتے ہوئے مدد نہیں۔ تمہارے

یہ اشک خدا کے مثل فیصلے کو نہیں روک سکتے۔ صبر کرو۔
خدا کا شکر بجالاؤ کہ وہ ہمیں اس دکھ بھری دنیا سے نجات دلا
رہا ہے

(سب غور میں روتی ہیں)

شاہ جہاں۔ جہاں آرا۔ جہاں آرا۔
جہاں آرا۔ ارشاد ابائی!

شاہ جہاں۔ بیٹا۔ تم نے ہماری بہت خدمت کی ہے۔ خدا
تم کو اجر دے۔ دیکھو۔ ہم وصیت کرنے ہیں کہ اپنی
سوتیلی بھی بہن بانو کو بھول مت جانا۔ ہمیں یقین ہے کہ تم اسے
نہیں بھولو گی۔ لیکن اپنے اطمینان کے لئے ہم تمہیں تاکید
کہہ رہے ہیں اور دیکھو۔ محل کی دوسری خواتین جو ہماری
موت کے بعد لاوارث ہو جائیں گی۔ بیٹا۔ ان کی پرورش کا
ضرور خیال رہے۔ مراد کے بیٹے بچوں کا جس طرح تم نے خیال
رکھا ہے اسی طرح ان لاوارثوں کا بھی خیال رہے سن رہی ہو بیٹا۔
جہاں آرا بڑھکپاں لے کر سن رہی ہوں ابائی!
شاہ جہاں۔ آؤ ہمارے پاس بیٹھو۔ ہم تمہارا سہرا آخری
بار اپنا ماتہ پھرنا چاہتے ہیں۔

(جہاں آرا، پلنگ پر بیٹھ جاتی ہے اور شاہ جہاں اس کے سر پر
آخری بار اپنا ماتہ محبت سے پھیرتا ہے)

شاہ جہاں: (اکبر آبادی اور فتح پوری محل سے مخاطب ہو کر) اس بچی نے ہماری بہت خدمت کی ہے (اکبر آبادی محل اور فتح پوری محل اور زیادہ رونا شروع کر دیتی ہیں)

شاہ جہاں: حوصلہ رکھو — زندگی اور موت نئی چیزیں نہیں ہیں۔ جو زندہ ہے — ایک دن ضرور مرے گا — حوصلہ رکھو — جہاں آرا — جاؤ بیٹیا۔ یہ سامنے والی کھڑکی کے پرستہ کھول دو۔۔۔۔۔ ہم آخری بار ارارہ جہند بانو کی آرام گاہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

(جہاں آرا کھڑکی کھول دیتی ہے)

شاہ جہاں: (کھڑکی میں سے تاج محل کو دیکھتا ہے) کاش کہ ہم اپنی زندگی کے تمام حسین خیالات اسی طرح ابدیت میں ڈھال سکتے — کتنا خوبصورت روضہ ہے — ارہ جہند بانو ضرور مطمئن ہوگی — آہ!

اس کا نام لیتے ہی سمن برج پھر سے آباد ہو گیا ہے — جہان کی لہریں پھر سے متکلم ہو گئی ہیں — شاہ جہاں پھر انہی دل فریب لمحات میں سانس لینے لگا۔

(دسانس اکھڑ جاتی ہے)

شاہ جہاں: اھمدان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ۔۔۔ اسے میرے خداداد نیا اور آخرت و دنیا میں مجھ پر رحم کرو اور نارنجیہم سے بچا۔

دعا ختم ہونے کے بعد شہاب الدین شاہ جہاں تاج محل کا مفکر ہمیشہ کے لئے سو گیا۔ رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔ سمن برج میں ایک لمبے پوڑے پلنگ پر خواب گراں میں عمر تھا۔ کھڑکی میں سے تاج محل نظر آ رہا تھا۔

اس چاندنی کی بھوار میں وہ بالکل ایک غراب معلوم ہوتا تھا۔ جو سمن برج میں سونے والا دیکھتا ہو۔

شاہ جہاں کی وصیت تھی کہ اسے تاج میں اپنی آرام گاہ کے پاس دفن کیا جائے۔ چنانچہ جنازہ ممتاز محل کے سزار میں لے جایا گیا اور اس کے جسدِ خاکی کو ارہ جہند بانو (ممتاز محل) کے پہلو میں عوارضت کر دیا گیا۔

طیپوشیہ کی موت

جولیس سیزر اسکندر اعظم کے بعد دنیا کے بڑے سپہ سالار اور فاتحوں کی فہرست میں نبولین کا نام آتا ہے۔ اسکندر اور جولیس سیزر کی فتوحات کو ایک زمانہ گنر چکا ہے۔ آج کل نبولین کا نام ہی سب سے پیش پیش ہے کہ یورپ سے ابھی تک اس جنگ جو انسان کے درشت ناک کارناموں کے نقش نہیں مٹے۔ نبولین اعظم کی بزرگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر ہم میسور کے بادشاہ فتح علی طیپو سلطان زندگی کو پیش نظر رکھیں اور دنیا کی ان دو نامور ہستیوں کے لمحات آخرین کا موازنہ کریں تو ذیل کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

نبولین کی قوم نے نبولین کا ہمد اساتھ دیا۔ اس کے ہر معرکے میں اس کی قوم بدل و جان شریک رہی۔ اس کے افسر و فواد تھے اور

اس کے ایک اشارے پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار تھے۔ اس کے برعکس طیپو سلطان کے امراء اور ذرائع اس کی تخت نشینی سے لے کر اس کی موت تک اس کے زوال کی تدبیریں سوچتے رہے۔ سلطان کی آستینوں میں اپنے ہاتھ ہوتے اتنے سانب تھے کہ نبولین کے دشمن نہیں ہوں گے۔ نبولین کو جب شکست ہوتی تو اس نے اپنے وطن کو دشمنوں کے سپرد کرنے میں ہی سلامتی سمجھی۔ اس نے اپنے آپ کو بھی دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سینٹ پالینا میں قید کر دیا گیا۔ جہاں اس نے بڑی تکلیف میں جان دی۔

سلطان کو جب اپنے امراء اور وزرائی سازش کے باعث شکست ہوتی تو اس نے بہادر سپاہی کی طرح اپنی آزادی برقرار رکھنے اور اپنے ملک و ملت کی ناموس بچانے کے لئے شمشیر بکھیر کر قبول کیا۔

پروفیسر جاسٹینو سلطان کے متعلق کہتے ہیں:۔ اس کے حریف ہمیشہ اس کو مٹانے پر آمادہ اخلاقی و روحانی سلطنت اس کے خاص افسر اس کے زوال کے لئے سازشیں کرتے رہے۔ مگر یہ سلطان ہی کا دل و جگر تھا کہ سترہ سال تک ان سب کا نہایت خوبی اور کامیابی سے مقابلہ کیا۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم شہر میسور کے آخری لمحات بیان کریں گے کہ وہی ہمارے موضوع سے متعلق ہیں۔

سلطان کا ستر اقبال ٹوٹ چکا تھا۔ اتحادیوں کی مجال کامیاب ہو گئی تھی۔ میدان جنگ میں اور اس سلطنت میں ہر جگہ تک حرام افسر اتحادیوں کی انگلیوں پر رقصاں تھے۔ میدان جنگ میں سلطان کو

خبر پہنچی کہ سرنگا پٹم پر حملہ کی تیاری ہو رہی ہے۔ اور میر قمر الدین نے غدار کی کر کے انگریزوں کی فوج کا کونڈرگ میں مقابلہ نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے جنرل اسٹوارٹ بغیر کسی رکاوٹ کے پایہ تخت تک پہنچ گیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان دارالسلطنت کو روٹا نہ چوا۔ (۲۴) مدافعت سلطان کے پلٹتے ہی انگریزوں کی فوج بغیر کسی مدافعت کے سرنگا پٹم پر ٹپڑھی اور جنرل اسٹوارٹ کی فوج کے ساتھ مل کر ان مردوں پر قابض ہو گیا۔ جو سلطان نے قلعہ کے سامنے شمال میں بنوائے تھے۔ یہاں بھی سازش کے باعث مدافعت بالکل نہ ہوئی۔ غرض جب انگریزوں نے سرنگا پٹم کے اطراف میں اچھی طرح ضروری اور مضبوط مقامات پر قبضہ کر لیا تو۔

گرد بار بار کاٹا ہوا ہوتی۔ جس کے باعث قلعے کی دیوار پھٹتی ہو گئی۔

ٹیکپو۔ تم نے تنگ حراچی اور غدار کی داستان سن لی۔ سید غفار۔ (دیکھ بھریے لہجے میں) ہاں۔ عالی جاہ اسن لی۔ غلام کو یقین نہیں آتا کہ دنیا میں تنگ حراچی کا وجود ہو سکتا ہے۔ ٹیکپو۔ اس لئے کہ تم ٹیکپو کے وفادار دوست ہو۔ اس لئے کہ تمہارا دل انسانیت سے لبریز ہے۔ مگر سید غفار! دنیا غداروں سے خالی نہیں۔ اگر دنیا میں غدار نہ ہوتے تو آج بھی اس قدر پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ہیں قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں ہماری جان ہے کہ ہمیں ان انگریزوں نے اتنا پریشان نہیں کیا۔ جتنا ہمیں اپنے دوستوں اور محفلوں نے کیا ہے۔

نواب حسین علی خان۔ حضور کو اب محتاط ہونا لازم ہے۔ ٹیکپو۔ اب احتیاط کرنے سے کیا ہوگا۔ غدار ہمارے جڑوں میں پانی بکھیر چکے ہیں۔ خدا کی قسم اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہمارے دربار میں کون کون آدمی غدار ہے تو ہم ان خبیثوں کو ایسی سزا دیں کہ۔۔۔۔۔ پر اب کیا ہو سکتا ہے۔ دشمن اپنا کام کر چکا ہے۔ ہمارے گھر کے چراغ ہی سوختہ آسمانی کی بنیادیں استوار کر چکے ہیں۔

سید غفار۔ مگر ہمیں غلامید نہیں ہونا چاہیے۔ ٹیکپو۔ سید غفار۔ ہم ناامید نہیں ہیں۔ ٹیکپو سلطان کی رگوں میں جب تک حیدر علی کے خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے۔ وہ دشمن کا اسی شرت سے مقابلہ کرے گا۔ سید غفار قسم ہے ہر روز گیار کی یہ انگریز خواہ کتنے بھی طاقتور ہو جائیں ان کے دلوں سے ٹیکپو کی رویت کبھی دور نہیں ہو سکتی۔ سید غفار۔ بالکل درست ہے عالی جاہ! اس کا دشمن کو بھی اعتراف ہے۔

ٹیکپو۔ یہ سب کچھ ہے۔ ہمیں اپنی قوت کا بخوبی اندازہ ہے۔ مگر سید غفار جو کچھ گلشن آباد کی سرحد پر ہوا، اس نے ہمارا دل بہت مغموم کر دیا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مرد بے پروا ہماری فوجوں کو کیوں شکست ہوئی۔ کیا اس میں بھی تو کسی سازش کا ہاتھ نہیں؟

سید غفار۔ عالی جاہ! میں اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

صرف شکوک ہی شکوک ہیں۔

ٹیبو بددعا ظراپ کے ساتھ۔ شکوک۔ شکوک۔ ہر طرف
شکوک۔ قلعے کا دیوار گولہ باری سے پھلنی جھرتی جا رہی ہے
انگریز بڑھتے چلتے آ رہے ہیں اور یہاں ہم شکوک کا ایک
بہت بڑا ڈھیر لے آئے کر رہے ہیں۔ سید فدار نواب
حصین علی خاں سب شکوک اپنے دل سے نکال دو۔ آؤ دشمن
کا جسم کر مقتابلہ کریں۔ آؤ کوئی تار پیر اور سوچیں۔

ٹیبو سلطان کو اپنے افسروں اور معتدلوں کے طرز عمل سے
معلوم ہو گیا کہ ان میں سے کچھ دشمن کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور کچھ
ناخبرہ کاری کے باعث سرگرمی دکھانے سے معذور ہیں چنانچہ اس نے
۱۲۴۲ھ ذیقعد ۱۱۰۱ھ کو موسیو سپیو اور دوسرے فرانسیسی افسروں کو
بلا یا۔

ٹیبو بددعا سپیو اہم نے تمہیں اور تمہارے دوستوں کو اس لئے بلا
کیا ہے کہ چند ضروری باتیں کہنا ہیں۔

موسیو سپیو بددعا شاہ عالی جاہ

شکوک بددعا موجودہ حالات تم دیکھ رہے ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ قابل اطمینان
نہیں ہے۔ جن لوگوں کو ہم اپنا دوست یقین کرتے تھے۔ یہیں
موقع پر دشمن ثابت ہوئے۔ ان کی دغا بازی اور مکاری کو
ہم حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ غم و غصے کی لہریں ہمارے

دل و دماغ پر دوڑ رہی ہیں، اور غنیم کا نور ساحت ساحت بڑھتا
چلا آ رہا ہے۔ کیا ہماری حالت قابل رحم نہیں؟

موسیو سپیو بددعا مگر عالی جاہ! آپ کے سارے دوست غدار نہیں۔
ٹیبو بددعا۔ موسیو سپیو اہم تمہارے جذبہ دوستی کی قدر کرتے ہیں۔
— یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس وقت تمہیں یاد کیا۔ بددعا نواب
تمہاری رائے کیا ہے۔

موسیو سپیو بددعا ہم نے حضرت کا شک کھایا۔ ہے اور حضور نے ہمیشہ
ہم پر بھروسہ کیا ہے۔

موسیو لالی بددعا ہم اعلیٰ حضرت کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کو
تیار ہیں۔ صرف اشارے کی دہر ہے۔

ٹیبو بددعا موسیو لالی! جہیں تمہاری دوستی پر یقین ہے۔

موسیو سپیو بددعا تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے خادمہ مشورہ
دے گا کہ آپ ہجرات کی پیشیاں اشرافیاں اور توشے خانے کا
سلار قیمتی سامان لے کر حرم سرا کی خواتین سمیت آدھی رات
کی خاموشی میں قلعہ معنی سے باہر تشریف لے جائیں۔

ٹیبو بددعا (سوچتے ہوئے) پھر۔۔۔؟

موسیو سپیو بددعا باہر نکل کر دس ہزار سوار اور پانچ ہزار فوج باقاعدہ
پیادہ کار پر دست در قرعہ میں شرب کوپ کے ساتھ لے لیں
اور بسبیل یلغار صوبہ سرا اور قلعہ چنارنگ پر جا پہنچیں۔

ٹیبو بددعا یہاں پھر وہ چھ اعتماد کا پڑھا سوال ہے۔

موسیو لالی بددعا غصہ کی اور موسیو سپیو بددعا حضور اعتماد فرماویں۔ یہ

قلعہ ہمارے تقویٰ میں چھوڑنا نہیں۔ جب تک ہم میں سے ایک بھی باقی رہے گا۔ حضور کے اندر سے اس کا یہ تصور نہ ہو گا۔

دوسرے سید ہوں۔ اور اگر یہ بات مشفقہ فاطمہ ہو تو حضرت ہم سب فرانسسینوں کو بیکار کرانگرینوں کے حوالے کر دیں۔ ہم ان کے قبضے میں آ گئے تو یہ حضور کے ساتھ صداقت کی گفتگو شروع کر دیں گے۔ کیونکہ انہیں زیادہ تر ہمارے ہی ساتھ کھنڈیر فاطمہ ہے۔

شعبہ ۱۔ آفریں ہے تم پر موسیٰ و سید ہوں۔ تمہارے ہمارے زخموں پر مرہم رکھ دیا۔ خدا تمہیں اس کی جزا دے۔ مگر ہمیں تنہا ہی یہ تجربہ قبول نہیں۔

موسیٰ و سید ہوں۔ فاطمہ ہوں۔ ہمارے قتل سے چاہتے ہیں کہ آپ کی یہ پریشانی دور ہو جائے۔

شعبہ ۲۔ دو سقو تمہیں غریب الوطن ہمارے بلایہ ہے یہاں آئے ہو۔ اور ہم ہمیشہ ہمارے کلمہ فاقیت اور وفاداری کا دم بھرتے رہے ہو۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم تم جیسے شریفہ ہمارا درگاہ حلال اور وفادار دوستوں کو دشمن کے حوالے کر دیں۔

شعبہ ۳۔ یہ اعلیٰ حضرت کا فریہ پروری ہے مگر حالات ہی کچھ ایسے ہیں۔

شعبہ ۴۔ حالات کیسے بھی ہوں۔ اگر ہمارے تمام سلطنت تاخست و تاراج ہو جائے تو بھی ہم تم میں کبھی انگریزوں کے حوالے نہیں کریں گے۔ یہ سچو بات ہے فارغ نہ ہو گئی ہو نہ حسب کبھی نہیں اٹانے کا ہم مقرر غرض کو یہ موقع نہیں دینا چاہتے کہ جب وہ شیریں سوار کے

خلافت زندہ رکھی قلم بند کریں۔ اس کی بلند سیرت کا ذکر کر رہا تو آخر میں یہ بھی لکھیں کہ اس نے حالات سے پریشان ہو کر اپنے فرانسسیسی دوستوں کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا موسیٰ و سید ہوں۔

اس کے بعد سلطان نے ملک حرام و لہو الا میر صادق اور پوریا سے فرانسسیسی سرداروں کے مشورے کا ذکر کیا اور رائے طلب کی۔

شعبہ ۵۔ کیوں میر صادق تمہارا کیا خیال ہے؟ میر صادق: اعلیٰ حضرت کا فیصلہ اٹل ہے مگر غلام کا خیال کچھ اور ہی ہے۔

شعبہ ۶۔ ظاہر کر دو۔ میر صادق: اس قوم نے کس کے ساتھ وفا کیا۔ ہے جو آپ کے ساتھ کریں گے۔

پوریا: فرانسسیسی اور انگریز دونوں ایک ہیں۔

میر صادق: اعلیٰ حضرت یہ دونوں ایک ہی قبیلے کے پیٹھے بیٹھے ہیں۔

یہ دونوں آخر میں ایک ہو جائیں گے۔ نقصان انہیں ہی ہو گا۔

ان سفید چٹری کے آدمیوں کو ہم سے کیا چمد روئی ہو سکتی ہے۔

پوریا: سگ زرد بڑا زخماں۔

میر صادق: حضرت یقین فرمائیں کہ جیسے ہی آپ نے قلعہ اس کے سپرد کیا۔ یہ انگریزوں کے حوالے کر دیں گے۔

ٹھیکو۔ ہمیں ان کی وفاداری پھر پھر ابھرا بھر دوسرے ہے۔

میر صادقؒ: غلام نے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہے۔ ماننا نہ ماننا اعلیٰ حضرت کا اختیار ہے۔

ٹھیکو: ہمارے اختیار میں بہت سی باتیں ہیں۔ اگر تقدیر میر پر بھی کوئی اختیار ہو تا تو میر صادقؒ آج ہماری صفوں کے درمیان یہ غدار نہ ہو جن کی مسکریوں کے باعث ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔ ہم انگریزوں سے صلح کے طالب ہوئے مگر ان کی طرف سے ایسی ذلیل شرطیں پیش کی گئی ہیں کہ خدا کی قسم ہمارا خون کھول رہا ہے۔ اگر آج ہمارے دوست ہمارے دشمن نہ ہوتے تو میر صادقؒ تم دیکھتے، ہم دشمن کے تمام ارادوں کو یوں باقوث تلے روند دیتے۔ ہم ان کی ذلیل شرائط پر گز قبول نہیں کریں گے۔

میر صادقؒ: اعلیٰ حضرت کی مرضی کے آگے ہمارا سر خم ہے۔ ٹھیکو: وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے فرانسیسی دوستوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ ہم ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم قزاق ادا کریں۔ ٹھیکو اور خزانہ گنار؟ ناممکن ہے۔ اور میر صادقؒ: تم نے ان انگریزوں کی بے ایمانی دیکھی۔

میر صادقؒ: کیا اعلیٰ حضرت!

ٹھیکو: تم ابھی ہم سے پوچھتے ہو کہ کیا؟۔ انہوں نے شرائط ماننے کے لئے ہمیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دی ہے۔ لیکن اسی دوران میں میرا برقعہ پر گولہ باری ہو رہی ہے۔ اس لئے بے اصولی نے ہمیں بہت فحشہ آنسو دیا ہے۔

پورنیا: تو اب حضورؐ کا کیا ارادہ ہے؟

ٹھیکو: بدر الزمان خان ناطق کو چارے حضورؐ میں بلایا جاسکے۔ ہم اس کو چند احکام دینا چاہتے ہیں۔

میر صادقؒ: بہت اچھا عالی جاہ!۔ میں انہیں ابھی آپ کی خدمت میں حاضر کرنا ہوں۔

(بلا جاتا ہے)

ٹھیکو: (اضطراب کے ساتھ ٹپکتے ہوئے)۔ کاش ہمیں ان غداروں کا پتہ چل جاتا پورنیا۔ ان انگریزوں کو ہمارا گھر جلائے کے لئے ہمارے ہی گھر کے چراغ مل گئے ہیں۔ ہم اللہ کی شرائط پر گز قبول نہیں کریں گے۔

(میر صادقؒ، بدر الزمان خان ناطق کے ہمراہ اندر داخل ہوتا ہے)

میر صادقؒ: عالی جاہ! حسب الحکم بدر الزمان خان ناطق حاضر ہیں۔

ٹھیکو: بدر الزمان آؤ۔ ہم تمہیں چند احکام دینا چاہتے ہیں۔

بدر الزمان: ارشاد عالی جاہ۔

ٹھیکو: تمام ہوا ہرات اور خزانہ۔ تو فحشے خانے کا تمام اعلیٰ سردار منصفوں میں بند کر کے اونٹوں پر لاد دیا جائے۔ حرم سرا کی زناہ سوار یوں کے لئے تیز رفتار جیلوں اور کھاروں کا فوراً انتظام کر دیا جائے۔ ہر اہلی کے لئے ہم نہایت معتد اور جان نثار افسر مامور کر دیں گے۔

بدر الزمان: عالی جاہ! آپ کا حکم سرانگہوں پر مگر غلام کچھ عرض کرنے کی اجازت مانگتا ہے۔

ٹھیکہ دار۔ تمہیں اجازت ہے۔ کہو۔ کیا چاہتے ہو؟
بعد از مراد و تہذیب عالم اچھے ہی حضور کا معہ نورانی جویم سراقلہ
چھوڑ کر باہر شریف سے جانا معذور ہو گا تو سب جاں نثاروں
کی نصیحت نہ کر رہا ہے گی اور خیرانہ جمعیت قائم نہ رہے گا۔
میرے سہارے میں خاک، لیکن اس وقت یہ عمل شاید نشان
کے بھی منافی ہے۔

ٹھیکہ دار۔ میرا حق۔۔۔ پورنیا۔۔۔ تمہاری کیا رائے ہے؟
میرا حق بہ میرا خیال ہے کہ حضور کا قلعہ نہ چھوڑنا مصلحت کے
عین مطابق ہے۔

ٹھیکہ دار۔ تم کیا کہتے ہو پورنیا؟
پورنیا۔ عالی جاہ۔ میں بھی دربار صاحب سے متفق ہوں۔
بعد از مراد۔ میرے لئے کیا ممکن ہے عالی جاہ!۔
ٹھیکہ دار۔ تم جاتے ہو بعد از مراد (ٹھیکہ دار سانس بند کر)۔۔۔۔۔ رضائے
مولا پر ہم ادنیٰ۔

خدا نے قادر کی رضا پر راضی ہو کر سلطان نے اپنا ارادہ
تبدیل کر دیا۔۔۔ احرار کی سازش کا سبب ہوئی۔ سلطان
حیران تھا کہ اس کے سردار عجب متعین ہیں۔ مگر ان سے کچھ بھی نہیں
ہوتا۔ ظاہر ہے کہ بغیر سازش کے یہ ممکن نہیں۔ ان حالات کے پیش نظر
سلطان نے حرم سرا کے چاروں طرف خندق کھدوا کر بارود بھرا دی
تاکہ انگریز جب اندر آجائیں تو حفظ ناموس کے لئے حرم سرا کوڑا دیا

جاتے۔ سرداروں کو سوار اور پیادہ فوج کے ساتھ ضروری مقاموں پر
دامور کیا اور ایک فوج انگریزوں کا سامان رسد رکھنے کے لئے روانہ
کی۔ سلطان کے کسی حکم کی تعمیل نہ ہوئی۔ اس لئے کہ ان میں سے اکثر
خوار تھے۔
چار مئی صبح کا ذکر ہے۔

نچو می ۱۔ عالی جاہ! میں آپ کی خدمت میں کچھ عرض کر سنے کے لئے حاضر
ہوا ہوں۔

ٹھیکہ دار۔ بولو۔ تمہیں کیا عرض کرنا ہے۔
نچو می ۲۔ حضور ستاروں کا حساب لگانے پر معلوم ہوا ہے کہ آج
کا دن اعلیٰ حضرت کے لئے نہایت منجوس ہے۔
ٹھیکہ دار۔ تو کیا کرنا چاہتے؟

نچو می ۳۔ حضور کو صدقہ دینا چاہتے۔۔۔ غسل فرمانے کے بعد عالی جاہ
صدقہ فرمادیں۔

ٹھیکہ دار۔ ضرور دیں گے۔ ہم غسل کر چکے ہیں۔۔۔ جاتے ہو ان سے
کہو کہ ایک ہاتھی کا لے کر چھوٹی سمیت، جس کی چھال میں کوئی
سیر کے موٹی اور چھال ہلکے ہوئے ہیں۔ درویشوں کو دیار یا
جاتے۔

نچو می ۱۔ حضور کا اقبال دن بدن ترقی پر ہو۔ (چلا جاتا ہے)
ٹھیکہ دار۔ درویش سمیت (حضور کا اقبال دن بدن ترقی پر ہو
(ایک خادم آتا ہے)

خادم ۱۔ عالی جاہ! آپ کے ارشاد کے مطابق قلعے کی شمالی فصیل کے پاس سایہ دار تخت کے نیچے آپ کا مخصص دیا گیا ہے۔
ٹھیکو۔ چلو ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔

سلطان نے ابھی خاصے کا ایک لقمہ تناول کیا تھا۔ اور دربار القہر لٹھانے ہی والا تھا کہ وہ اویلا کرتے ہوئے لوگ آئے کہ سید غفار نے اپنی جان شاہ پر نشان کر دی ہے۔ سلطان نے اس لقمہ کو دیا ہی چھوڑ کر دسترخوان سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور ٹھنڈی سانس بھر کر سلطان نے دونوں بندوق اٹھائی اور چھوٹے دروازے سے باہر نکلا۔ اس وقت سلطان نیم رنگ کپڑے کی قبا پہنے ہوئے تھا شاہانہ پگڑی سر پہ تھی۔

جس وقت سید غفار کے گور لگا۔ دو پہر کا وقت تھا۔ سپاہ برابر مستعدی سے اپنے کام میں لگی ہوئی تھی۔ اسی دوران میں یورپیا کا حکم آیا کہ فوجوں کو تنخواہ تقسیم ہو رہی ہے۔ اس لئے سپاہی آکر اپنی تنخواہ لے جاتیں۔ اندرونی سازش یہ تھی کہ جب سپاہ یہاں سے ہٹ جائے تو انگریزی فوج کے چڑھ آنے کے لئے اشارہ کر دیا جائے۔ سپاہی تنخواہ لینے کے لئے مسجد اعلیٰ کے پاس چلے گئے۔ اور انگریزی فوج اشارہ پا کر آسانی کے ساتھ فصیل پر چڑھ کر قلعے کے اندر داخل ہو گئی۔

انگریزی فوج میں جو شخص سب سے اول تھا۔ جنرل بیرڈ تھا۔ مگر اس کی رہنمائی کے لئے ایک اور شخص اس سے آگے آگے تھا۔

میر قاسم علی۔

انگریزی فوج انہی غداروں کی مدد سے فصیل پر قابض ہو کر قلعے کے اندر داخل ہو چکی تھی۔ سلطان قلعے میں داخل ہونے کے لئے جب ڈیڑھ دروازے پر آیا تو اسے بند پایا۔

ٹھیکو۔ یہ دروازہ اندر سے کس نے بند کیا ہے؟
ایک سپاہی ۱۔ عالی جاہ! آپ جب اس دروازے سے نکل کر باہر تشریف لے گئے تھے تو دیوان صاحب آپ کے پیچھے آئے تھے۔
ٹھیکو۔ میرے پیچھے پیچھے آیا تھا تو کدھر گیا۔ اب کہاں ہے۔
— یہ دروازہ کس نے بند کیا ہے؟

سپاہی ۱۔ عالی جاہ! دیوان صاحب نے ہی دروازہ بند کیا ہے۔
ٹھیکو۔ (حیرت سے) کیا کہا۔ میرا دوق نے یہ دروازہ بند کیا ہے!
سپاہی ۲۔ ہاں عالی جاہ! انہوں نے اپنے ہاتھ سے دروازہ بند کیا ہے۔
ٹھیکو۔ اسی نے کیا ہو گا۔ اب تک اور میر بھی تو کئی دروازے بند کر چکے ہیں۔ ہم سوتے رہے۔ ہم غافل رہے۔

(ایک سپاہی بھاگتا ہوا آتا ہے)

ٹھیکو۔ کیا ہوا تم انٹے درخت زدہ کیوں ہو؟
دوسرا سپاہی ۱۔ (ہانپتے ہوئے) عالی جاہ! انگریزی فوج قلعے میں داخل ہو کر اس مقام پر آ گئی ہے۔

ٹھیکو۔ کس مقام پر؟
دوسرا سپاہی ۱۔ یہاں سے بالکل قریب عالی جاہ! آپ کہیں چھپ جائیں۔

شیریں۔ دوست گیری کی حد نہ سالہ زندگی سے شیریں کی ایک دن کی زندگی
 اچھی ہے۔

جہاں سلطان اور مہاراجا تھا ایک طرف تو انگریزی فوج جسے پھر تفصیل
پر لکھوں اور دوسری طرف سہاسنے اور ہاتھیوں سے انگریزی فوج کے دوسرے
حصے سے سلطان کے سپاہیوں کا مقابلہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد
سلطان اور اس کے جان نثاروں کے محصور ہو گیا۔

ہندوؤں کے فرائض کے ساتھ ہی ساتھ ہندو مت پرست لڑائی شروع ہو گئی۔ غریب ہمسایوں کی جنگ ہوئی۔ ناگاہ ایک گولی سلطان کے گھر سے
کے لگی۔ گھبراہٹ اور ہراس مچ گیا۔ اسے سلطان کا پیادہ جو گر لڑنے لگا۔
چونکہ غریبوں سے معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان بذات خود اس جنگ میں
شریک نہ ہے۔ لہذا تمام انگریزوں کی فوج پوری طاقت سے اس جگہ مصروف
پیکار تھی۔ جہاں سلطان ایک جنگ جگہ میں محصور تھا۔ اسی وقت
پرست لڑائی میں جس میں سلطان واپس شجاعت دے رہے رہا تھا۔ ناگاہ
ایک گولی سلطان کے دل کے قریب لگی۔

شکریہ: (نسخہ جو کمرہ) راجہ خاں — راجہ خاں —

راجہ خاں :۔ عاقبتاً !

شیخ پروردگار اصرار آؤ۔۔۔ ایک لمحہ کے لئے لڑنا موقوف کر کے ادھر
میرے پاس آؤ۔

راجہ خاندان کے (مسلط) کے پاس جا کر۔۔۔ ارشاد عالی جیاد !

السیبیر - ہم زخمی ہو گئے ہیں راجہ خاں -

راجہ خاں :- (سچینے سے اپنی نکلنا دیکھ کر) عالی جاہ !۔ میرے منہ میں خاک ، مگر آپ کے نور بہت جلد ایک زخم لگا رہے ۔

دشمنوں کے ہاتھوں میں آئے۔ ان کا زخم اتنا گہرا تھا کہ انہیں نہ اچھے نمائی۔۔۔ چنانچہ سینہ اعلیٰ پر
نہ تھوڑے سے چھلنی چھو چکا ہے۔

راجہ خاں: عالی جاہ! — اب حالات کا تقاضا یہ ہے کہ آپ
 اچھے آپ کو انگلیزوں پر غلامی کر رہیں۔

طیب چوہدری: راجہ فاضل اکبریا ختم درویش بنے ہوئے تھے۔ غلاموشر ہوئے۔

سلطان کو خود اسبابیوں نے اٹھا کر ایک پانگی میں لٹا دیا۔ یہ پانگی دروازے میں رکھ دی گئی۔ سلطان اس پانگی میں ہی تھا کہ ایک انگریز سپاہی کا گزرا دھڑ سے ہوا۔ اس نے سلطان کی تلوار اور پیٹھ چھینا جا رہی۔ جب اس نے ہاتھ دراز کیا تو سلطان نے تلوار سے اس کے پاؤں پر ضرب لگائی۔ اس پر اس انگریز سپاہی نے اپنی بھری بہوتی بندوق سلطان پر خالی کر دی۔ جس سے شیر میسور کی روح قضیٰ منصری سے پرواز کر گئی۔

جب سلطان کی موت کی خبر جنرل ہارس کو پہنچی تو وہ لاش پھرایا
غریب صرست سے پکارا اٹھا " آج ہندوستان ہمارا ہے۔ "

راجہ خاندان کے (مسلط) کے پاس جا کر۔۔۔ ارشاد عالی جیاد !

راہبوں کی موت

راہبوں میں دنیا کا سب سے زیادہ گنہگار اور بے حاصل انسان جو روس میں پیدا ہوا، وہی یقین کیا جاتا تھا مگر درحقیقت وہ ایک شیطان تھا۔ جس کے ہاتھوں زار روس کی عظیم الشان سلطنت پر باد چڑھی۔ اس کا گناہوں بھری زندگی اس قدر حیرت خیز ہے کہ اس پر کسی خیالی انسانے کا گمان نہ ہوتا ہے۔

چھ فٹ دو انچ لمبے قد کا یہ گروندرل راہب جس کا سر گنبد نما تھا۔ کئی سال روس پر اپنی شیطانی صفات کی بدولت حکمران رہا۔ اس کی حیرت انگیز قوت کار از اس چیز میں مضمر ہے کہ ہینا ٹرم میں اسے کمال حاصل تھا۔ اس قوت کے ذریعہ سے وہ مضبوط ترین آدمی کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیتا تھا۔ ہینا ٹرم ماننے کے علاوہ علم کشف میں بھی

اسے مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ اسی علم کی وساطت سے زارینہ سے اس کا تعارف ہوا۔

واقعات بتاتے ہیں کہ بہت جلد راہبوں میں نے زارینہ کو مسح کر لیا۔ اس کے علاوہ اس نے شاہی محل کی تمام پیش قدمیوں، زارینہ کی تمام خوب صورت سہیلیوں اور خاندان شاہی کی قریب قریب تمام بیگموں کو اپنا مرید بنا لیا۔ یہ تمام محرکاتیں پر خدا در غبت اس کی غواہیوں کے سامنے جھک گئیں۔

یہ بات بہت ہی شرمناک ہے مگر حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ خود زارینہ کو بھی آہستہ آہستہ اس کا یقین ہو گیا تھا کہ جب تک راہبوں کے ساتھ جیسا فی گناہ کا اور کتاب نہ کیا جائے خدا کے ہاں نجات ممکن ہی نہیں۔ عورتیں چھپ چھپ کر اور بھیس بدل کر اس شیطان راہب کے پاس جاتی تھیں۔ نہیں معلوم کہ اس میں ایسی کوئی طاقت تھی کہ عورت سامنے آئے ہی بالکل مسحور اور بے بس ہو کر رہ جاتی تھیں۔

جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی، زار اور زارینہ کو یقین تھا کہ راہبوں کی خدا کی طرف سے اس لئے آیت ہے کہ روس کو فتح و ظفر اور عزت و شان سے ہم آغوش کر دے۔ لیکن راہبوں میں اصل میں جبریں جاسوسی تھا۔ اور اس کی کوششیں بھی تو اس لیے اتحادیوں سے جدا ہو کر جرمین سے صلح کر لے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعد درجہ غلیظ چوڑے کے باوجود راہبوں میں سے نہ زارینہ کو گھس آتی تھی نہ کسی دیگر خاتون کو ذرا بالکل

خسل نہیں کرتا تھا۔ اس نے کبھی منہ ہاتھ بھی نہیں دھو یا تھا۔ اس کے بارے میں دعوت بدیہ آتی تھی۔ اس کے لیے کیسے ناخوشیوں میں ہر وقت میل بھرا رہتا تھا۔ ڈاکو بھی اس کی بے حد مکروہ تھی۔ جس کے بال میل اور چکنا چٹ کے باعث آپس میں سے رہتے تھے۔ بہت ہی بد تمیز تھا۔ یہی آداب کے خلاف ہاتھ سے کھانا کھاتا تھا۔ اور اپنی بھری ہوئی انگلیاں شہزادوں کی طرف بڑھاتا تھا۔ جو ان کو تیرس کو صاف کر دیتی تھیں۔

۱۹۱۶ء کے آخر میں روس کی ناگفتہ بہ حالت تھی۔ ٹوہائی رساں سے ملک میں بد امنی اور قحط کا دور دورہ تھا۔ فوجوں کے سپاہی اپنے وطن کی صحبت کا ہند ب دل میں رہ گئے تھے، لیکن وہاں ایک بے مقصد لڑائی لڑتے لڑتے اگنا گئے تھے۔ جس میں انہیں پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ ان کو حکومت کی طرف سے پورے ہتھیار بھی نہیں دیتے جاتے تھے کہ وہ جرنیوں کا نظریہ احسن مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ فوجوں میں بددیہی پھیلی گئی اور ۱۹۱۶ء میں دس لاکھ روسی سپاہی بستر بیدار یا باندھ کر اپنے اپنے گھر چل دیئے۔

جب حالات اس درجہ مفلک ہو گئے تو شاہی خاندان کے مردوں کے کل گھر خالی ہو گئے۔ چنانچہ گورڈن ٹریک ٹکوس اور میکاٹل کی سرکردگی میں ایک وفد زار کے پاس گیا۔ اور زار مینہ کے چال چلون پر شعبہ کا اظہار کیا اور درخواست کی کہ ملک کی بد حالی اور بد انتظامی دور کرنے کے لیے فوری طور پر کچھ کیا جائے۔ زار نے اس وفد کی کوئی بات نہ سنی۔ چنانچہ اس کے رشتہ داروں نے سوچا کہ روس کو بچانے کے لیے

اب ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے۔ وہ یہ کہ خود کھ کیا جائے چنانچہ سینٹ پیٹرز برگ میں امرائے شاہی محل کی آخری سازش کا انتظام کیا۔ پیرگورام میں سب سے پہلے واسپوٹین کا قتل تھا۔

۴ دسمبر کی رات کو شاہزادہ یوسوف نے مجلس رقص و سوسور قائم کی اور واسپوٹین کو اس میں مدعو کیا، چونکہ واسپوٹین موسیقی کا دلدادہ تھا۔ اس لئے سازشیوں کو یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا۔

یوسوف۔ شیطان آج ہمارے حال سے بچ کر نہیں جائے گا۔ پال، تم نے زہر کی طرف سے اپنا اطمینان کر لیا۔

پال سیتیانوف:۔ گر چکا ہوں۔ چنانچہ چند قطرے ایک کتے کے حلق میں پھونکے جو فوراً ہی مر گیا اس کی لاش باڑھن میں پڑی ہے۔

یوسوف:۔ آج اس رات اس کتے واسپوٹین کی لاش بھی اس صحن میں پڑی ہوئی چاہئے۔ تمہارا خیال کیا ہے۔ کہیں دعوت میں آنے سے انکار نہ کر دے۔

پال سیتیانوف:۔ میرا خیال ہے کہ انکار نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ ہم اسے ایک معشوقہ کا لالچ بھی تو دے چکے ہیں۔

یوسوف:۔ میں بھول ہی گیا تھا جب اس نے اس معشوقہ کے قمریابی تعریف سنی چوبی تو پانی بھرا آیا ہو گا غلیظ شیطان کے منہ میں۔

پال سیتیانوف:۔ باقی لوگ کہاں ہیں؟

یوسوف:۔ سب اپنی جگہ پر مستعد ہیں۔ تم بے فکر ہو۔

پال سیتیانوف:۔ ایسا نہ ہو مجھے دیکھ کر مشک جائے۔ اس سے میری بھی

ملاقات نہیں ہوئی۔

یو سوبوف ۱۔ ستم بے فکر رہو میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ اس سے کہہ دوں گا کہ پال سٹیپانوف اپنا آدمی ہے کوئی غیر نہیں۔

پال سٹیپانوف ۱۔ اچھا بیوں چا سہی۔ میرا تو دل دھڑک رہا ہے۔ کجھت کے اتنے افسانے سن چکا ہوں کہ اب وہ مجھے بھوت معلوم ہوتا ہے۔

یو سوبوف ۱۔ دوست آج یہ بھوت نہیں رہے گا۔ روس کی مقدس

سرزمین پر آج اس کا ناپاک وجود نہیں رہے گا۔ کیا ہم سب اس کا حلف نہیں اٹھا چکے اس خدا کے مہال اور گنہگار انسان کو مارتا ہے۔

۲۔ بڑا کار ثواب ہے۔

پال سٹیپانوف ۲۔ اس میں کیا شک ہے۔

یو سوبوف ۲۔ رس بچنے والے ہیں آؤ اب شراب میں نہ ہر ملا دیں۔

پال سٹیپانوف ۲۔ یہ دونوں بوتلیں ہیں ان میں سے ایک میں یہ نہ ہر گھولی دو۔

دوسری بوتل میں کچھ نہ ڈالو۔ مگر نہ ہر والی بوتل پر نٹاں ضرور لگا کر بنا

چاہئے ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر گڑبڑ ہو جائے۔

یو سوبوف ۲۔ میں نٹاں لگائے نہ دیتا ہوں۔ اول تو اس کی بھی ضرورت

نہیں کیونکہ شراب کی طرح دونوں بوتلیں بھی مختلف ہیں۔

پال سٹیپانوف ۲۔ ڈال دو۔ اور اچھو طرح ملا دو۔

شراب میں نہ ہر ملا دیا گیا۔ سب زیاریاں مکمل ہو گئیں پرنس یو سوبوف

کے گھر میں کئی آدمی چھپے ہوئے تھے ان میں سے ایک کا نام پرنس متری تھا

اور دوسرا پال سٹیپانوف ان کے علاوہ ایک مضہور قاصد بھی تھا جس کا

لاپچہ را سپوٹین کو دیا گیا تھا۔

سب انتظامات مکمل تھے مگر اندیشہ اس بات کا تھا کہ را سپوٹین

کہیں پرنس یو سوبوف کی دعوت مسترد نہ کر دے۔ وعدہ خلائی نہ کر جائے

رات کے گیارہ بج گئے اور را سپوٹین نہ آیا اب پرنس اور اس کے ساتھیوں

کو سخت تشویشیں ہوئی۔

متری ۱۔ کریں جا سوئے ہونے اس کو ہرادی سازش سے آگاہ تو نہیں کر دیا۔

یو سوبوف ۱۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ہمارے سوا اس سازش سے اور

کون آگاہ ہے اگر اس کو پتہ چل گیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ

ہم خود اس شیطان کے جاسوس ہیں۔

پال سٹیپانوف ۲۔ سوال یہ ہے کہ وہ ابھی تک آیا کیوں نہیں ہے۔

یو سوبوف ۱۔ کسٹ معذوقہ کے ہاں رک گیا ہو گا۔

پال سٹیپانوف ۲۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔

متری ۱۔ تمام حالات سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے۔ جیسے شہر پر نگہیاں!

یو سوبوف ۲۔ آج آجائے تو یہیں اسلحا جھٹ پھڑک دوں۔

پال سٹیپانوف ۲۔ یو سوبوف تم ٹیلیفون کرو اور اس کے گھر سے پتہ لے کر

کہاں ہے۔

یو سوبوف ۲۔ ٹھیک۔ لیہیں ابھی کرتا ہوں (خبر ملا ہے)۔ ہلو۔ ہلو۔

مقدس باب کہاں ہیں۔ کیا کہا چلے گئے۔ کب؟ کہاں؟

(ٹیلیفون کا چرہ و چارہ دیکھ رہا ہے)

پال سٹیپانوف ۲۔ کہاں گیا۔؟

میتری ۱۔ گھر میں نہیں ہے کیا؟
یوسو پروف ۱۔ قدام بتاتا ہے کہ مقدس باپ ٹھیک گیارہ بجے گھر سے نکل گئے ہیں۔

میتری ۱۔ مقدس باپ شیطان کا کچھ۔ مقدس باپ!
یوسو پروف ۱۔ ایسا نہ ہو کہ پہلی سازش دھری کی دھری رہ جائے۔
میتری ۱۔ روس کی نجات اس وقت تک ناممکن ہے جب تک یہ شیطان زندہ ہے اگر وہ آج نہ آئے تو اسے کل بلایا جائے ورنہ کسی نہ کسی چیلے سے اس کا کام ضرور تمام کر دیا جائے۔

پال سٹیپانوف ۲۔ سب انتظامات مکمل ہیں ایسا موقعہ شاید ہی پھر سمجھو ہاتھ آئے۔

یوسو پروف ۱۔ کچھ دیر انتظار کر لیتے ہیں شاید آجائے۔
پال سٹیپانوف ۱۔ اگر اسے آنا ہوتا تو اب تک آ گیا ہوتا جہاں خوبصورت رقص و سرود اور شراب کا سوال ہو رہا ہے وہ کبھی دیر نہیں کرتا۔ یہی وقت پر پہنچا کرتا ہے۔

میتری ۱۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے دعوت میں اسے کوئی دل فریب بات نظر نہ آئی ہو۔

یوسو پروف ۱۔ دعوت کو دل فریب بنانے میں ہم نے کوئی دقیقہ فراموش نہیں کیا ہے۔ یہ خوبصورت دعوت۔ رقص و شراب اور تفریح۔ یہ سب چیزیں ہم اسے دعوت میں پیش کر چکے ہیں اس کے یہاں نہ آنے کی کوئی اور چیز ہے۔

میتری ۱۔ ٹھیک ہے۔ تم نے آواز سنی۔

یوسو پروف ۱۔ وہ آگیا۔ یہ آواز اس کی موٹر کی ہے وہ آگیا۔ اب تم سب تیار ہو جاؤ۔ دیکھو ایسی بات نہ ہو کہ وہ تاثر جائے۔

ٹھیک گیارہ بج کر بیس منٹ پر راسپوٹین کی موٹر دروازے پر آ کر رکی۔ وہ اس میں سے اترے موٹر غصہ دروازے پر آ کر بھکی بھکی نظر رہا ہند کو بڑی احتیاط کے ساتھ اندر داخل کیا گیا۔ کہ کوئی دیکھنے نہ پائے۔

راسپوٹین اس وقت سیاہ جب پہنے تھا۔ جو اہرات سے مریض عظیم الشان طلانی صلیب اس کے سینے پر لٹک رہی تھی۔ اندر داخل ہو کر اس نے بیش قیمت اور کوٹ اتار دیا۔ باہر شدید قسم کی برف باری ہو رہی تھی۔

یوسو پروف ۲۔ تشریف لے آئیے۔ بے کھٹکے اندر۔ تشریف لے آئیے۔

راسپوٹین ۱۔ مجھے دیر ہوئی۔

یوسو پروف ۱۔ خاص دیر تو نہیں ہوئی۔ نہ بے نصیب۔ آپ تشریف تو لے آئے ہیں۔

راسپوٹین ۱۔ جب تم نے بلایا تو مجھے آنا ہی پڑا۔ منہاری دعوت سے انکار بھی نہیں ہو سکتا تھا جب کہ تم نے یہ کون ہے؟

یوسو پروف ۲۔ مقدس باپ آپ مطمئن رہیں۔ خلوت کا یہاں پورا ہوا بندوبست ہے یہ پال سٹیپانوف ہیں۔ میرے ہمارے دوست ہیں

ہم پائے در ہم نوالہ۔ آخر ہال امقدس باب کی زیارت کا شرف حاصل کرو۔

راہبوں میں:۔ (ہال کی طرف شفقت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے) تم سے مل کر مسرت ہوئی ہے۔

پالے ستیپانوف:۔ یہ میری عین خوش نصیبی ہے۔

راہبوں میں:۔ بیشک جاؤ اس کرسی پر بیٹھ جاؤ۔

پالے ستیپانوف:۔ (کرسی پر بیٹھ کر) آج پہلی مرتبہ آپ کے دیدار ہوئے ہیں۔ یہ شرف مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ آپ کی عظمت اور بزرگی کا یہ ادنیٰ ثبوت ہے۔

راہبوں میں:۔ اگر کلوں در دروس کا نام ہے تو میں عیسائی مسیح ہوں میں دوس کو اور تمام دنیا کو سبابت دلائے آیا ہوں نام اور نام نہ نہ

میرے سامنے ادب سے ٹھیکتے ہیں اور میرا ہاتھ چومتے ہیں۔ ان کے پیچھے مجھے سجدہ کرتے ہیں۔ میرا بہت بڑا لقب ہے۔

پالے ستیپانوف:۔ (مصنوعی طور پر متاثر ہو کر) اس میں کیا شک ہے مقدس باپ:۔

راہبوں میں:۔ یوسوف:۔ وہ عورت کہاں ہے جس کا تم نے ذکر کیا تھا۔ وہ چیز جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتی مگر مجھ سے تعارف کرنے کی خواہشمند ہے۔

یوسوف:۔ ابھی تک نہیں آئی مقدس باپ۔

راہبوں میں:۔ کیا وجہ ہے اس کے د آنے کی۔ تمہارے بیان کے مطابق اسے میری ملاقات کا اشتیاق تھا۔

یوسوف:۔ جی ہاں۔ بہت زیادہ اشتیاق تھا اور میرا خیال ہے کہ میں آتی ہوگی۔ متری باہر اس کا انتظار کر رہا ہے۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔

راہبوں میں:۔ جاؤ پرنس متری کو یہاں بھیج دو اور تم اس خاتون کا انتظار کرو یوسوف:۔ بہت اچھا مقدس باپ۔ (چلا جاتا ہے)

راہبوں میں:۔ پال! اس عورت کو جس کا ذکر ابھی ہو رہا تھا کیا مانتے ہو؟ پالے ستیپانوف:۔ جانتا ہوں۔ بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔

راہبوں میں:۔ کیسی ہے؟

پالے ستیپانوف:۔ بہت حسین عورت ہے اور ناچتی بھی خوب ہے۔ میں نے ایسی رقاصہ آج تک نہیں دیکھی۔

راہبوں میں:۔ خوب بہت خوب۔

پالے ستیپانوف:۔ مقدس باپ ہیناٹرم کے متعلق میں بہت کچھ سن چکا ہوں کہتے ہیں کہ ایسا علم موجود ہے جس سے آدمی دوسروں سے سمجھ کر لیتا ہے لیکن مجھے یقین نہیں آتا۔

راہبوں میں:۔ (ہنستا ہے) میری رائے پوچھنا چاہتے ہو۔؟

پالے ستیپانوف:۔ جی ہاں۔

راہبوں میں:۔ تم نے سنا ہوگا کہ میں ہیناٹرم کا عامل ہوں۔

پالے ستیپانوف:۔ جی ہاں۔ آپ کے متعلق یہ بات عام طور پر مشہور ہے

راہبوں میں:۔ جو بالکل غلط ہے۔ خدا نے ذوالکمال نے مجھے قوت بخشی ہے اس کو لوگ جہالت اور بیوقوفی کے باعث ہیناٹرم سمجھتے ہیں۔ اس نے مجھے برکت بخشی ہے۔ اس نے مجھے ہدایت کا رہنما

ہے۔ امن اور نجات کی کلید میرے ہاتھ میں دی ہے۔ دنیا و آخرت میں میرا مقام بلند ہے۔ لوگ ان رفعتوں کو دوسرے رنگ میں دیکھتے ہیں۔ وہ مجھے جادوگر سمجھتے ہیں اس لئے کہ وہ کم عقل اور جاہل ہیں۔ لیکن جو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔

(پرنس متری اندر آتا ہے)

راسپوٹین :- آؤ پرنس متری میں تمہارا ہی انتظار کر رہا ہوں۔

متری :- میں اس خاتون کی راہ دیکھ رہا تھا۔

راسپوٹین :- ابھی تک نہیں آئی۔

متری :- جی نہیں لیکن میں آیا ہی جا رہی ہے۔

راسپوٹین :- تو بیٹھ جاؤ میرے پاس — بوتل کھولو۔ میو اور پلاؤ۔

متری :- (پاس بیٹھ جاتا ہے۔ اور زہروالی بوتل کھول کر راسپوٹین کے

گلاس میں شراب انڈر لیتا ہے۔)

فرمائیے کتنی پیسے گئے؟

راسپوٹین :- گلاس بھرو۔ اور پال کو بھی دو۔

متری :- (بوتل میز پر رکھ دیتا ہے۔) لو پال تم بھی لو۔ کیا سوچ رہے ہو

پالے سٹیپانوف؟ میں سامنے تصویر کی طرف دیکھ رہا ہوں مصور کی

تصویر۔ مقدس باپ آپ نے ملاحظہ فرمائی یہ تصویر؟

راسپوٹین :- (تصویر کی طرف دیکھتا ہے) منظر کشی خوب کی گئی ہے۔

مجھے اس کا فریم بھی پسند آیا ہے۔ (اس دوران میں پال سٹیپانوف

دوسری بوتل سے اپنے گلاس میں شراب انڈر لیتا ہے۔)

متری :- میں آرٹسٹ کا نام بھول گیا ہوں مجھے یو سو پوف نے بتایا تھا۔

بھلا سا نام ہے۔۔۔

پال سٹیپانوف :- (گلاس اٹھا کر) مقدس باپ کی صحت کے لئے !

راسپوٹین :- (اپنا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگاتا ہے) متری تم بھی پیو۔

(گلاس ختم کر دیتا ہے)

متری :- حیرت ہے کہ وہ خاتون ابھی تک نہیں آئی۔ یو سو پوف

شاید ابھی تک اس کا انتظار کر رہا ہے۔

راسپوٹین :- آج برف باری بھی تو ہو رہی ہے۔

پال سٹیپانوف اور متری سمت تھر تھے کہ راسپوٹین اتنا زہری

پکا ہے۔ جو بارہ آدمیوں کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر اس سے

کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ بالکل تندرست تھا۔ جیسے اس نے کبھی

زہر پہنایا نہیں۔

شراب پینے کے بعد اس نے میز پر سے بسکٹ اٹھا کر کھائے

اور باتیں کرتا رہا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس نے نظر بچا کر اپنا

گلاس کا پتھ کے اس اگال سان میں انڈر ل دیا تھا جو اس کے ہاتھ رکھا تھا

مگر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نہیں اس نے پتھ زہر پہنایا تھا۔ ہر حال

اس کے متعلق اختلاف ضرور ہے۔

پرنس یو سو پوف اور اس کے ساتھی اوپر کی منزل میں تھے اور

ویرہ ہونے کے باعث سمت پریشان ہو رہے تھے انہیں یقین تھا کہ

راسپوٹین زہر پیتے ہی مر جائے گا۔

جب بہت دیر ہو گئی اور پال اس کی موت کی خوشخبری سنانے کے لئے نہ آیا تو یہ لوگ دبے پاؤں پیچھے اٹھے اور کمرے کے پاس جا کر تعجب سے راسپوٹین کی باتیں سننے لگے۔

راسپوٹین ۱۔ ایک گلاس اور ہے۔

پال ۱۔ پیچھے (گلاس میں نہ ہر بلیا شراب انڈر لیتا ہے)

راسپوٹین ۱۔ گلاس خالی کر کے (آج سہری غضب کی ہے۔ خون منجمد ہوا جا رہا ہے۔ تین گلاس ختم کر چکا ہوں۔ ابھی تک ہال میں گری پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن تم لوگ یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف کیا دیکھ رہے ہو۔

پال ۱۔ کچھ نہیں کچھ نہیں۔

متری ۱۔ (گھبرا کر) یہ صبر بھادو گری ہے۔

راسپوٹین ۱۔ (مسکراتے ہوئے) کیا جادو گری ہے؟

جادو گری سب بکو اس ہے نیم بھک پرست ہو تمہیں ہو کیا گیا ہے؟

پال ۱۔ (اشک کھڑا ہوتا ہے) خدا کی قسم یہ شخص جادو گر ہے۔

متری ۱۔ پال پستول نکالو اور ملعون کا ماتمہ کر دو یہ نہ ہر اسے ہلاک نہیں کرے گا۔

راسپوٹین ۱۔ (ہنستا ہے) تو مجھے زہر دیا گیا ہے۔ درستو۔ از ہر جگہ ہلاک نہیں کر سکتا۔ جس شخص کو حکمت الہی نے بھیجا ہے جس کو خدا نے بشارتیں عنایت کر رکھی ہیں اس کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ یہ نہ ہر میرا بال تک ٹپکا نہیں کر سکتا۔ (ہنستا)

چوہا یو سیرین کے پاس جاتا اور دیکھتا کہ وہ حسین عورت آتی ہے یا نہیں اس کے بعد پھر مجھے ہلاک کرنے کی تجویزیں سوچنا تھا۔ تم میری برکت نازل کرے۔

متری ۱۔ پال اس شیطان کی تقریر نہ سنو۔ اپنا کام کرو۔ اس کے غضب میں نہ آؤ۔

پال ۱۔ (اپنے حواس درست کرتا ہے۔ اور جمیب سے پستول نکال کر فائر کرتا ہے۔)

ایک — دو — تین

راسپوٹین کے سینے میں گولیاں اتار کر پال کمرے سے باہر نکلا جہاں اسے پرنس یو سیرین وغیرہ ملے پال نے ان سے کہا۔ "شیطان بالآخر جہنم رسید ہو گیا۔ اب رہو اس کے شر سے آزاد ہے۔"

چنانچہ یہ سب لوگ اوپر کی منزل میں شراب پینے لگے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں انہیں نیچے کی منزل میں کچھ بڑا معلوم ہوئی۔ اسے میں دروازہ کھلا اور اسپوٹین اندر داخل ہوا۔ ان سب کو یقین تھا کہ پچھلے سے پر گولیاں کھا کر وہ کھپ چکا ہو گا۔ جب اسے زندہ دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔

راسپوٹین خون میں نہلا ہوا تھا اور کھڑا ہوا اور محل کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

یو سیرین ۱۔ متری! کہیں سچ ہے یا سب خدا رسیدہ ہی تو نہیں۔ متری ۱۔ ہو سکتا ہے کہ خدا اس کی حفاظت کر رہا ہو۔

یہ سوچو ۱۔ زہری کر اور گولیاں کھا کر بھی وہ کجھلت نہیں مرا

متر ۲۔ بڑا سخت جان ہے۔

جال ۱۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

را سپوٹھین ۱۔ (ایک ہاتھ سے اپنا زخم پکڑ کر جس میں سے خون جاری تھا)

تم نے مجھے قتل کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کی ہے۔ لیکن

یہ دیکھو۔ میں زندہ ہوں۔ میں زندہ ہوں اور اسی طرح زندہ رہوں گا

— کوئی انسانی قوت مجھے ہلاک نہیں کر سکتی — زہر اور یہ سب

گولیاں مجھ پر کیا اثر کر سکتی ہیں — (ہنستا ہے)

تم لوگ بیوقوف ہو کیا اب بھی تمہیں میری عظمت پر شک ہے۔

کیا اب بھی تم مجھے ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہو گے۔

کھاٹک کھول دو۔ میں باہر جانا چاہتا ہوں — عنقریب خدائے

تم سے انتقام لینے کا موقع عطا کر دے گا۔

پال ۲۔ متری دور دور اس ملعون کی پیٹھ میں اپنا فخر دستے تک اتار دو

اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ یہ خدا رسیدہ بزرگ نہیں۔ شیطان ہے

جو میں مرعوب کرنا چاہتا ہے۔

را سپوٹھین ۱۔ تم بیوقوف ہو۔ تمہارا زہر اور تمہاری گولیاں مجھے ہلاک

نہ کر سکیں۔ یہ شہر میرا کیا بگاڑے گا۔ آؤ اس کو بھی آڑ مار دیجیو۔

پال ۲۔ متری خدا کے لئے اس کی باتیں نہ سنو۔ یہ ہم پر جادو کرنا چاہتا

— دور دور۔ جانے نہ پائے گاؤ۔ خنجر مجھے دو۔

را سپوٹھین نے جب دروازے کا ہتھا گھرایا تو ہال کو جرمش آگیا

وہ خرافات کا قائل نہ تھا۔ خنجر لے کر تیر کی طرح دوڑا اور را سپوٹھین کی

پیٹھ میں دستے تک اتار دیا اب اس کا یہ دجال را سپوٹھین کی بارگاہ کھڑا

اور فرشتے پر اوندھے منہ گر پڑا۔

کہتے ہیں کہ جب اس کی لاش کو اٹھا کر ان لوگوں نے دریا میں پھینکنا

چاہی تو اس وقت بھی را سپوٹھین کے جسم میں جان کی رمت تھی جب اس کو

مدیا پڑو کیا گیا تو ان لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ اب واقعی

را سپوٹھین اس کا مہیب بھوت نہ رہ سکا تھا۔

منشو ماموں کی موت

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ منشو ماموں سیانی صاحب کے قبرستان سے
 دھڑ کو گھر چلے آئے تو میں ان سے کیا کہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں ان کی حیات
 ثانی کے معجزے کو نظر انداز کر کے ان سے صرف اکتا کہوں گا۔ "منشو ماموں"
 آپ نے آج تک جتنی غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کی ہیں ان میں سب سے زیادہ
 غیر ذمہ دارانہ حرکت آپ کی موت تھی۔

بھادر پور میں پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کرکٹ کا دوسرا
 ٹیسٹ میچ ہو رہا تھا اور میں ڈرنگ اسٹیڈیم میں بیٹھا طالع یار نماں کو بیچ
 کلام چشم دید حال نشر کرنے میں مدد دے رہا تھا کہ لاہور سے میرے نام
 ایک ڈرنگ کال آئی اور مجھے بتایا گیا کہ آج صبح سعادت حسن منٹو کا انتقال
 ہو گیا۔ میں فوراً غم سے بے قابو نہیں ہو گیا بلکہ مجھ میں شدید روبرو جنگی پیدا

سعادت حسن منٹو نے اپنی اس کتاب "جنازہ" سے "انتساب
 اس شخص کے نام کیا تھا، جو ان کی موت پر انیسالی منٹون
 لکھے گا۔ یوں تو منشو کی موت پر بے شمار مضامین لکھے گئے
 اور کئی مضامین میں خود منشو کے الفاظ ہیں ان کا مونڈنا ہوا
 ہے۔ لیکن منشو کے بھانجے حامد جلال نے منشو کی موت
 پر جو مضمون لکھا ہے وہ ضرور ایسا ہے جو منشو کی شرط
 "ایسا ہی" پر پورا اترتا ہے۔ ہم انتساب تو حامد جلال
 کے نام نہیں کر سکتے، کیونکہ پتہ نہیں منشو کے خیال میں یہ
 "ایسا ہی" کی شرط پوری کرتا ہے یا نہیں اور کیا معلوم کہ کچھ
 برسوں یا صدیوں بعد کوئی اور شخص منشو کی موت پر "ایسا ہی"
 مضمون لکھے کہ اس انتساب کا حق دار ہوا جائے۔ لیکن ہم
 حامد جلال کے مضمون "منشو ماموں کی موت" کا اضافہ
 اس مجموعے میں ضرور کر رہے ہیں تاکہ سند رہے اور۔۔۔

ہو گئی۔ مجھے منٹو ماموں پر انتہائی شدید غصہ آ رہا تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ یہ سلوک کس طرح کر سکتے ہیں لیکن میں نے اس کا اظہار نہیں کیا اور جب میں بولا تو میرا آواز سے غیر معمولی تشویش غلاں تھی۔ میں نے پوچھا۔
کہاں انتقال ہوا؟ جواب ملا: گھر پر! اس جواب سے مجھے بڑا مطمئن ہوا۔
کیونکہ مجھے پڑھا کہ کہیں وہ اچانک گھر سے باہر کسی اور مقام پر موت سے ہم آغوش نہ ہو گئے ہوں۔ میں ممکن تھا کہ کسی تانگے پر کسی ریستوران میں اسکی پبلشر کے دفتر میں بیٹھے بیٹھے یا کسی فلم اسٹوڈیو میں انہیں اچانک موت آگئی ہو۔۔۔۔

جب میں اپنی جگہ پر واپس گیا تو میچ کا آنکھوں نہ کھلا ہوا بیان کرنے والے ساتھیوں نے اشاروں سے پوچھا کہ کیا بات تھی۔ میں نے ایک کاغذ پر یہ جملہ لکھ دیا: "اچانک نے سعادت حسن منٹو کو آخر آؤٹ کر کے ہٹا دیا۔ آج صبح ان کا انتقال ہو گیا۔"

منٹو ماموں کو آؤٹ دینے کے لئے اس پائر سے کئی بار اپیلیں کی جا چکی تھیں لیکن ہر بار اپیل مسترد کر دی گئی تھی۔ اب ان کی بے صبر اور ڈونڈول انگلیں ختم ہو گئی تھی۔ وہ کریکٹ کے کھلاڑی ہوتے تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ کبھی حنیف جھری طرح ہوشیار اور محتاط کھلاڑی نہیں بن سکتے تھے جسے وہ لاہور کے تیسرے ٹسٹ میچ میں کھیلنے ہوئے دیکھنے کے بے حد مشتاق تھے۔ اس کا علم مجھے ان کی موت کے چوبیس گھنٹے بعد گھر پہنچ کر ہوا۔ وہ حقیقت ان کا زندگی کی آخری دو خرابیوں میں سے ایک خرابی تھی۔ اپنی موت سے ایک دن پہلے انہوں نے ایک ریستوران میں اپنے دوستوں سے کہا تھا۔۔۔

تمام جلال کو واپس آ جانے دو۔ میں اس کے ساتھ ٹسٹ میں میں منیف کا کھیل دیکھنے جاؤں گا۔

ان کی دوسری خواہش اس بے یار و مددگار عورت کی موت پر فضا کھینے کی تھی جس کا برہنہ لاش گجرات میں ٹرک کے کنارے پائی گئی تھی۔ اخباروں میں شائع ہونے والی اطلاعات کے مطابق اس عورت اور اس کی ننھی سی بچی کو بس اڑے سے اٹھا کیا گیا اور نصف درجن کے قریب دوستوں پرستوں نے اپنے کھانا خوراک شبات کی تکمیل کی اور تپ رہ کر کوہ پوری میں ان کے چنگل سے نکل کر بھاگی تو اس کے جسم پر لباس کا ایک تار بھی نہ تھا۔ چنانچہ درجنوں ماں بیٹی نے منیف کو دینے والی سڑک میں دم توڑ دیا۔ اس لمحے سے منٹو ماموں بے حد متاثر ہوئے تھے اس روز شام کو گجرات سے کچھ دیر ان کے پاس آئے تھے اور انہوں نے حادثہ کا مزید تفصیلات بتائی تھیں۔ اس سے ان میں ضرور اشتعال اور ہوجان پیدا ہوا ہو گا۔ اور میرا خیال ہے کہ اس کے بعد منٹو ماموں نے معمول سے زیادہ شراب پی لی ہو گی جو ان کے لئے ہلکا ثابت ہوئی۔

وہ کافی شام گزرنے کے بعد گھر واپس آئے۔ ٹھوڑی دیر بعد

انہیں خون کی تپتی ہوئی میر سے چھ سالہ بچے نے جو ان کے قریب ہی گھر استواء خون کی دھاریوں کی طرف انہیں متوجہ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ کچھ نہیں یہ تو بان کی چپک ہے۔ انہوں نے اسے یہ کہہ بھی کر دیا کہ وہ اس کسی سے ذکر نہ کرے۔ اس کے بعد انہوں نے حسب معمول کھانا کھا یا اور سو گئے۔ گھر بھر میں کسی کو وہم و گمان بھانہ تھا کہ کوئی بات غلط ہوئی ہوئی ہے کیونکہ میر نے منٹو ماموں کا راز کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا۔

تھیں ہے غیر منطوق ماموں کو بھی اس کے متعلق کوئی تشویش نہ ہوتی تھی۔ یوں بھی
یہ گھروالوں کو ایسے معاملات سے بے خبر رکھنا پسند کرتے تھے کیونکہ ہر طرف
سے شراب ترک کرنے کا مطالبہ شروع ہو رہا تھا۔

رات کا پچھلا پہر تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو اٹھا کر بتایا کہ وہ
شدید درد مندریں کر رہے ہیں اور اب تک بہت سا خون مناسج ہو چکا ہے
ان کا خیال تھا کہ ان کا جگر پھٹ گیا ہے۔ ان کی بیوی نے جب یہ دیکھا
کہ وہ اس صورت حال کا حق تنہا مقابلہ نہیں کر سکتیں تو انہوں نے گھر
کے دوسرے لوگوں کو جگایا۔ اور انہیں موت کے منہ سے نکالنے کی
جدوجہد شروع ہو گئی۔ اسی سے پہلے کئی شدید علالتوں کے بعد وہ
شفایا بیاہر چکے تھے اس لئے کسی کو یہ خیال تک نہیں ہو سکتا تھا کہ اب
وہ صرف چند گھنٹوں کے مہمان ہیں۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ انہیں
آؤٹ ریسے کے لئے اسپتال کی انگلی اسی وقت سے مضامین بلند ہونی
شروع ہو گئی تھی جب منطوق ماموں کو خون کی پہلی قے آئی تھی۔

منطوق ماموں کے آخری لمحات کے متعلق میں نے جو کچھ بتا ہے ،
اس سے میں اپنی اطلاع لگا سکتا ہوں کہ کافی زیادہ تک انہیں خود بخود یقین
نہیں تھا کہ ان کا وقت اب آگیا ہے۔ ڈاکٹر کے جانچنے وغیرہ لگاتے
کے ڈیوٹی گھنٹہ بعد تک وہ مایوس نہیں ہوئے تھے لیکن اس علاج کے
بعد بھی ان کی حالت خلاف معمول نہیں بدلتی۔ ان کی نصیحتیں برابر فوٹی نہ گند
درد میں۔ مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ خون کی قے بھی بند نہیں ہوئی۔ صبح
کو ڈاکٹر نے غیر متوقع طور پر انہیں کو ہسپتال پہنچا دیا جاتے۔
(اس وقت منطوق ماموں کے ہر مشاعرہ اس بالکل بھرا تھا کہ ہسپتال کا

نام سننے پر وہ بول اٹھے۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ مجھے ہسپتال
نہ ملے گا اور یہیں مسکوں سے بڑا رہنے دو۔

گھر کی تمام عورتوں کے لئے یہ منظر ناقابل برداشت تھا۔ انہوں
نے رونا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر منطوق ماموں فوراً مشتعل ہو گئے اور
انہوں نے غصہ ناک آواز میں کہا "خیر درجہ کوئی رو یا۔" یہ کچھ گرا انہوں نے
انجام دے رضائی سے بند کر دیا۔

منطوق ماموں کا یہ اصلی روپ تھا۔ جس شخص کی زندگی کا کوئی گوشہ
آج تک دنیا کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہا تھا۔ وہ کس طرح برداشت
کر سکتا تھا کہ لوگ اسے مرتا ہوا دیکھیں۔ منطوق ماموں مجسم غیظ و غضب
بنے ہوئے تھے۔ معلوم نہیں وہ اپنے آپ سے ناراض تھے یا شراب
جو ان کی قبل از وقت موت کی ذمہ دار تھی۔

ایمبولینس آنے سے پہلے صرف ایک یا دو بار انہوں نے اپنے
منہ سے رضائی پٹائی۔ انہوں نے کہا۔ "مجھے بڑی سردی لگ رہی
ہے اتنی سردی شاید قبر میں بھی ہیں لگے گی۔ میرے اور ہر رضا تیاں
میں دو یا تین دیر توقف کے بعد ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی تپک
نمودار ہوتی انہوں نے آہستہ سے کہا "میرے کوٹ کی جیب میں
ساڑھے تین روپے پڑے ہیں۔ ان میں کچھ اور پیسے مار گھوڑی کی آؤٹسٹکٹ
شراب کے لئے ان کا آخری اصرار رہا اور ان کی قسلی کے لئے ان
پر امان لیا گیا۔ انہوں نے بوتل کو بڑی عجیب اور آسودہ لگا ہوں سے
دیکھا اور کہنے لگے "میرے لئے دو پیگ بنا دو۔" اور یہ کہتے ہوئے
درد اور عجز سے انہیں دور سے کے باعث وہ کانپ سے آئے۔

فلسفہ ماموں کی آنکھوں میں اس وقت بھی اپنے لئے نرم کاکوٹی کا تہہ
 مہر نہ تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کا وقت آ پہنچا ہے۔ لیکن ایک بار
 بھی ادراک ایک لمحے کے لئے بھی انہوں نے اپنے اوپر جلد باتیت طاری
 نہیں ہوئے دریا۔ انہوں نے اپنے بچوں یا کسی اور کو اپنے پاس نہیں
 بلایا۔ وہ لگا رہا ہے یا وصیت کے کبھی قائل نہیں تھے۔ ان جیسی
 شخصیتوں کے لئے زندگی اور موت کے درمیان حدفاصل بہت ہی مجہم
 اور غیر واضح ہوتا ہے اور یہاں جو نا کھیا جانتے، کیونکہ ان کی زندگی اور
 سرج تو پہلے ہی ان کے جسم سے ان کی کتابوں میں منتقل ہو چکی ہوتی
 ہے وہاں پہنچ کر انہیں غیر فانی ہونے کا یقین ہو جاتا ہے وہاں وہ
 اب تک زندہ رہتے ہیں۔ ہنستے ہوئے رہتے ہیں۔ نعمت کرتے
 رہتے ہیں۔

بستر مرگ پر فلسفہ ماموں نے شراب کے سوا کوئی اور چیز نہیں مانگا
 انہیں بہت پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ شراب ان کی جانی دشمن ہے
 اور وہ اس سے موت کا ہم معنی سمجھنے لگے تھے جس پر جہاں فانی کسی
 ضرورت میں ممکن نہیں ہے۔ جس طرح موت کے آگے کوئی انسان پیش
 نہیں پاسکتا اس طرح فلسفہ ماموں شراب کے سامنے بالکل بے بس
 ہوتے تھے۔ لیکن ان کی فطرت چونکہ ہمیشہ سے باغیانہ تھی اس لئے
 انہوں نے موت سے بھی بغاوت کی تھی۔ انہیں شکست سے بھی
 سخت نفرت تھی خواہ وہ موت کے ہاتھوں ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہاں
 رجب تھی کہ وہ موت سے تنہائی میں آنکھیں مہر کرنا چاہتے تھے۔ جہاں
 کوئی انہیں مرتا نہ دیکھ سکے۔ جہاں کوئی ان کی شکست کا نظارہ

ذکر سکے۔

ان سے کم درجے کا آدمی شاید ایک طرہ مافی موت کا اہتمام کرنا تاکہ
 اس کے مرنے کے بعد ایک اس کا چرچا کریں۔ اس پر مضامین لکھے
 جائیں اور اس کے اعزاء احباب کہہ سکیں کہ اس کی زندگی ضرور ایسی تھی
 جیسے ہم پسند نہیں کرتے تھے، لیکن مرنے کے پہلے وہ منفعل ہو گیا تھا
 اچھا آدمی بن گیا تھا۔ لیکن فلسفہ ماموں ریاکار نہیں تھے۔ انہوں نے
 اس خواہش کا سختی سے مقابلہ کیا۔ ان کی موت کے وقت صرف ایک
 بھلوٹہ مافی تھا یعنی شراب طلب کرنے کا منظر۔ لیکن اس کا فائدہ
 بھی مرکزی کردار کو پہنچ سکتا تھا کیونکہ اس کا صبح مفہوم صرف وہی
 سمجھ سکتا تھا۔

میں اس وقت موجود ہونا تو مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے ذہن کو
 ایک حد تک میرے سامنے بے نقاب کر دیتے۔ اور یہ کچھ مشکل
 بھی نہیں تھا کیونکہ انہیں صرف اتنا کہنے کی ضرورت تھی۔ سانپ
 اور انسان کی کہانی نہ بھولنا۔ میں اپنے سر کو اثبات میں جلبش نہ دینا
 اور شراب کا آخری جام انہیں پینے کو نہ دینا۔ صرف یہی ایک
 جملہ ہر بات واضح کر دینے کے لئے کافی ہوتا۔ سانپ اور انسان
 کی کہانی صرف اتنی تھی کہ ایک آدمی نے اپنے دوستوں کے منع
 کرنے کے باوجود ایک نہر پر سانپ پال رکھا تھا اور ایک دن سانپ
 نے سارا نہر اس کے جسم میں اتار دیا، تو اس نے بھی سانپ کو
 پکڑ لیا اور اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا۔

ایک بولٹس جیسے ہی انداز سے پر آ کر کھڑی ہوئی۔ انہوں نے

شراب کا بھر سٹالہ کیا۔ ایک بیچہ درستی ان کے منہ میں ڈال دی گئی۔
 ایک شاہد ایک قطرہ مشکل سے ان کے حلق سے نیچے اتر سکا ہوا
 باقی شراب ان کے منہ سے گر گئی اور ان پر غشی طاری ہو گئی۔ زندگی
 میں یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اپنے ہوش و حواس کھوئے
 تھے۔ انہیں اسی حالت میں ایجوو لنس لٹا دیا گیا۔

ایجوو لنس ہسپتال پہنچی اور ڈاکٹر انہیں نہ سمجھنے کے لئے اندر
 لگئے تو مایوس ماموں مرچکے تھے۔ دربارہ ہوش میں آنے بغیر
 راسخے ہی میں ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

ۛ

سعادت حسن منٹو اردو کا بہت بڑا افسانہ نگار

منٹو کو زندگی کم ملی، پھر بڑی جھیلنے والی زندگی۔ اور وہ سعادت
 عمر اس سے کھینچتا، اُسے چڑاتا، ہاں اگر کم وقت لینے کے باوجود
 بہت سی عمروں سے بڑا تخلیقی سیر نامہ ہماری نذر کر گیا۔ اُسے مرے
 ہونے اب ۲۰ سال ہو رہے ہیں۔ ان ۲۰ سالوں میں اردو کے کتنے
 قصہ آوروں افسانہ نگار ہونے ہوئے مگر منٹو آج بھی نیا ہے، آج
 بھی تازہ ہے، آج بھی زندہ ہے۔ بار بار پڑھنے جاسے پڑھیں وہ
 اپنی افادیت اور اہمیت نہیں کھو جاتا بلکہ اس کی سرکشی اور کشیدگی
 پہلے سے کچھ سوا رہی نظر آتا ہے۔ اردو کے اس سب سے بڑے
 مشہور اور بدنام مصنف کی کتابیں عرصہ دراز سے نایاب تھیں
 سعادت بک ڈپو نے ان کے نئے ایڈیشن شائع کئے ہیں۔

۲۴	۱۸/۰	۱	جینے فرشتے	۲۴
۱۵/۰	۱۲/۵۰	۱	تلیخ، ترش اور شیریں	۱۵/۰
۱۱/۰	۲۴/۰	۱	لذت سنگ	۱۱/۰
۱۴/۰	۱۱/۰	۱	پھنسنے	۱۴/۰
۹/۰	۱۵/۰	۱	تین خوردیں	۹/۰
۱۸/۰			۱	۱۸/۰

۱ سوشل پارے اور سیاہ ماسٹینے

درچسپ تاریخی مہماتی اور سماجی ناول

۲۰/۰	دیوہ تانکی بیٹی	۲۵/۰	نظام باز شاہ
۲۰/۰	قراقرم کے باسی	۱۲/۰	تلاش بہشت
۲۵/۰	آبلہ پا	۲۵/۰	شعلہ دہشتم
۱۵/۰	قراقرم کی حبابی	۲۵/۰	خانماں برباد
محی الدین نواب کے ناول		۱۵/۰	فرزند آسمان
۲۰/۰	بارود کے پھول	۱۵/۰	بہشت زادہ
۲۰/۰	کچرا گھر	۲۵/۰	شیعہ پروردانہ
۲۰/۰	آرہا جہرہ	۲۵/۰	جہاں آرا
۲۵/۰	جرم و فا	۲۵/۰	پرواز خیال
۲۵/۰	دیوہ تاحصلہ اول	۲۵/۰	شہبستان ناز
۲۵/۰	دیوہ تاحصلہ دوم	۲۵/۰	آتش خاموش
۲۵/۰	دیوہ تاحصلہ سوم	۲۵/۰	دیوہ تاحصلہ چہارم
۲۵/۰	دیوہ تاحصلہ پنجم	۲۰/۰	سکندر نامہ
۲۵/۰	دیوہ تاحصلہ ششم	۲۰/۰	سازش
			پرنس کا خفیہ

۱۵/۰۰	سعادت حسن منٹو	افسانے	بادشاہت کا خاتمہ
۱۵/۰۰	سعادت حسن منٹو	افسانے	پہنڈے
۱۵/۰۰	ایاس سینا پوری	آرکائی وول	دشت کا بھیڑیا
۱۸/۰۰	سعادت حسن منٹو	افسانے	آتش پارے اور سیاہ ماحیچے
۱۸/۰۰	سعادت حسن منٹو	افسانے	مشن ڈاگروٹ
۲۶/۰۰	ایس مرزا	ناول	نورنی یکسر
۲۴/۰۰	سعادت حسن منٹو	افسانے	باپجو
۱۱/۰۰	سعادت حسن منٹو	ناول	بقیہ عمر ان کے
۱۳/۰۰	ایاس سینا پوری	آرکائی وول	کلاش بہشت
۲۴/۰۰	سعادت حسن منٹو	خاکے	مجھے فرشتے
۹/۰۰	سعادت حسن منٹو	خاکے	تین غور تیں
۱۱/۰۰	سعادت حسن منٹو	افسانے	لذت سنگ
۱۵/۰۰	سعادت حسن منٹو	خاندانہ ماریج	ملیج، بٹریٹ اور شیریں
۱۴/۰۰	سعادت حسن منٹو	افسانے	پہنڈے
۱۰/۰۰	عبد الباقی	ناول	فرشتہ تجھت کا
۱۲/۵۰	سعادت حسن منٹو	افسانے	دھواں
۱۲/۵۰	ابن انشا	خاندانہ ماریج	خوار گشت دم
۱۲/۵۰	ابن انشا	خاندانہ ماریج	آر دو فی آخری کتاب
۱۰/۰۰	محمد حسین بیگ		باب احمد اور جنگ کی غیبت باتیں